بسم اللہ الرحمن الرحیم

نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

اللہ نزل احسن الحدیث

شعبان ۱۴۳۴ھ

جولائی ۲۰۱۳ء

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث

حضرو

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

- کیا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یزید کی تعریف کی تھی؟
- کیا یزید شرابی اور تارکِ صلوٰۃ تھا؟
- جنات کے نام: حرزِ ابی دجانہ والی روایت موضوع ہے
- مسند الحمیدی کے نسخہ دیوبندیہ کی چالیس اغلاط
- عبدالرحمن بن معاویہ بن الحویرث اور جمہور محدثین

مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک: پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماہنامہ اشاعة الحدیث حضرو

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 10 | شعبان ۱۴۳۴ھ جولائی ۲۰۱۳ء | شمارہ: 7

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ: 25 روپے
سالانہ: 400 روپے
مع محصول ڈاک پاکستان

خط و کتابت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر: حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقامِ اشاعت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ
0302-5756937

حافظ زبیر علی زئی

مسنون تعدادِ رکعات قیامِ رمضان

۱:     سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: رسول اللہ ﷺ کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: رمضان ہو یا غیر رمضان، رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الصوم: کتاب صلاۃ التراویح باب فضل من قام رمضان)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ (ﷺ) ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے اور (آخر میں) ایک وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

۲:     سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں (تراویح کی) نماز پڑھائی۔ آپ نے آٹھ رکعتیں اور (تین) وتر پڑھے۔ الخ

(صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان)

اس روایت کے دونوں راوی عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب القمی جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق یعنی حسن الحدیث ہیں۔

۳:     سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ (موطأ امام مالک)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف تمام روایات شاذ و مردود ہیں۔

اس فاروقی اثر کی سند کو نیموی نے بھی ''و إسناده صحيح'' تسلیم کیا ہے۔ (آثار السنن)

۴:     طحطاوی حنفی نے لکھا ہے: کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس (رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۱/ ۲۹۵)

تفصیلی حوالہ جات اور مفصل دلائل کے لئے دیکھئے ''تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ''

تنبیہ: قیامِ رمضان سے مرادنمازِ تراویح ہے۔   (۱۹/ مئی ۲۰۱۳ء)

فقہ الحدیث

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

۴۰۹) وَعَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَه .

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

اور عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کا خلال کرتے تھے۔

اسے ترمذی (۳۱ وقال: هذا حديث حسن صحيح) اور دارمی (۱/ ۱۷۹ ح ۷۱۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

نیز اسے ابن ماجہ (۴۳۰) اور حاکم (۱/ ۱۴۹) نے بھی روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: داڑھی کا خلال سنت ہے۔

۲: اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور اس کے راوی امام اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق رحمہ اللہ پر ابن حزم کی جرح اصلاً مردود ہے۔ نیز اس حدیث کے کئی معنوی شواہد بھی ہیں مثلاً:

۱: عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (سنن ترمذی: ۲۹۔۳۰، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹، الحاکم ۱/ ۱۴۹)

۲: عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ (دیکھئے حدیث سابق: ۴۰۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/ ۵۴)

اس کے باوجود امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے داڑھی کے خلال کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ (علل الحدیث نسخہ محققہ ۱/ ۲۵۲ ح ۱۰۱)

علامہ ابن حزم نے کہا: اور ان تمام روایات میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔

(المحلی ۲/ ۳۶ مسئلہ ۱۹۰)

ثابت ہوا کہ ابو حاتم الرازی اور ابن حزم دونوں اپنے نزدیک ضعیف + ضعیف والی

روایات کوحسن لغیرہ قرار دے کر حجت نہیں سمجھتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۸۶ص ۱۶

۴۱۰) وَعَنْ اَبِی حَیَّةَ قَالَ: رَأَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ کَفَّیْهِ حَتّٰی اَنْقَاهُمَا، ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا، وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا، وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا، وَذِرَاعَیْهِ ثَلَاثًا، وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً، ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَیْهِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ، ثُمَّ قَامَ فَأَخَذَ فَضْلَ طَهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ قَالَ: اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِیَکُمْ کَیْفَ کَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ . رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ.

اور ابوحیہ (الوادعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ نے وضو کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیاں دھو کر خوب صاف کیں پھر تین دفعہ کلی کی اور تین دفعہ ناک میں پانی چڑھایا اور تین دفعہ اپنا چہرہ دھویا اور تین دفعہ اپنے دونوں ذراع (بازو) دھوئے اور سر کا مسح ایک دفعہ کیا پھر ٹخنوں تک اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر کھڑے ہوئے تو وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پی لیا، پھر فرمایا: میں نے اس بات کو پسند کیا کہ تمھیں بتاؤں، رسول اللہ ﷺ کا وضو کیسا تھا۔

اسے ترمذی (۴۸) اور نسائی (۱/۷۰۔۷۱ ح ۹۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

نیز اسے ابوداود (۱۱۶) نے بھی روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: اگر مسئلہ معلوم ہو تو اسے چھپانا نہیں چاہئے بلکہ لوگوں کو بتا دینا چاہئے۔

۲: پاؤں دھونا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے، لہٰذا اپنے آپ کو شیعانِ علی سمجھنے والے لوگ اس مسئلے میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں۔

۴۱۱) وَعَنْ عَبْدِ خَیْرٍ قَالَ: نَحْنُ جُلُوْسٌ نَنْظُرُ اِلٰی عَلِیٍّ حِیْنَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ یَدَهُ الْیُمْنٰی فَمَلَأَ فَمَهٗ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَنَثَرَ بِیَدِهٖ

اَلْیُسْرٰی ، فَعَلَ ھٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی طُھُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَھٰذَا طُھُوْرُہٗ. رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ.

اور عبد خیر (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے وضو کیا تو ہم بیٹھے ہوئے انھیں دیکھ رہے تھے، پس انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ (پانی کے برتن میں) داخل کر کے منہ (پانی سے) بھر لیا، پھر اس کے ساتھ کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے ناک کو جھاڑا، انھوں نے تین دفعہ ایسا کیا پھر فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وضو دیکھے تو آپ کا یہی وضو تھا۔ اسے دارمی (۱/ ۱۷۸ ح ۷۰۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند صحیح ہے۔

نیز اسے امام نسائی (۱/ ۶۷ ح ۹۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: ناک میں دائیں ہاتھ سے پانی چڑھانا چاہئے اور بائیں ہاتھ سے جھاڑنا چاہئے۔

۲: پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنا جائز ہے، اِلا یہ کہ نیند سے بیدار ہوا ہو۔ اس صورت میں پہلے علیحدہ سے ہاتھ دھوئے جائیں گے۔

۳: یہ کہنا کہ وضو کا مستعمل (یعنی برتن میں بچا ہوا) پانی مکروہ یا نجس ہو جاتا ہے، بالکل بے دلیل ہے اور کسی صحابی و تابعی سے بھی ثابت نہیں۔

۴: سیدنا علی رضی اللہ عنہ علانیہ حدیث کی تعلیم دیتے تھے اور لوگ ان سے یہ تعلیم حاصل کر کے یاد کر لیتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی حدیث کے حجت ہونے پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے۔

۵: یہ حدیث یہاں مختصر طور پر مذکور ہے۔

۴۱۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ: رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ کَفٍّ وَّاحِدٍ ، فَعَلَ ذَالِکَ ثَلَاثًا. رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ.

عبداللہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے ایک

چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، آپ نے یہ کام تین دفعہ کیا۔

اسے ابوداود (۱۱۹) اور ترمذی (۲۸ وقال: حسن غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند صحیح ہے۔

نیز اسے امام بخاری (۱۹۱) اور امام مسلم (۲۳۵) نے بھی (صحیحین میں) روایت کیا ہے۔

۴۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَاُذُنَيْهِ: بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ، وَظَاهِرَهُمَا بِاِبْهَامَيْهِ. رَوَاهُ النَّسَائِیُّ.

اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا، آپ نے شہادت کی انگلیوں سے کانوں کے اندر مسح کیا اور باہر انگوٹھوں کے ساتھ مسح کیا۔

اسے نسائی (۱/۷۴ ح ۱۰۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

اسے ترمذی (۳۶) اور ابن ماجہ (۴۳۹) نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: سر کے مسح کے ساتھ کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے۔

۲: ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔

۳: نیز دیکھئے حدیث سابق: ۳۹۴

۴۱۴) وَعَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّهَا رَأَتِ النَّبِیَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ، قَالَتْ: فَمَسَحَ رَأْسَهُ مَا اَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ، وَصُدْغَيْهِ، وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً، وَفِي رِوَايَةٍ: اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِي جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَرَوَى التِّرْمِذِیُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰی، وَاَحْمَدُ، وَابْنُ مَاجَه الثَّانِيَةَ.

اور ربیع بنت معوذ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے سر کا مسح کیا (ہاتھ) آگے لائے اور پیچھے لے گئے اور کنپٹیوں کا مسح کیا اور دونوں

کانوں کا مسح کیا، آپ نے یہ سارا عمل صرف ایک دفعہ کیا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وضو کیا تو دونوں انگلیاں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیں۔

اسے ابوداود (۱۲۹، [۱۳۱، حسن]) نے روایت کیا ہے، ترمذی (۳۴) نے پہلی روایت اور احمد (۶/ ۳۵۹ ح ۲۷۵۵۹) اور ابن ماجہ (۴۴۱) نے دوسری روایت کو بیان کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں وجہ ضعف یہ ہے کہ اس کا راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔ دیکھئے انوار الصحیفہ (ص ۱۷)

بعض علماء کا یہ کہنا کہ ''جمہور نے ابن عقیل کی توثیق کی ہے'' غلط ہے۔

اس روایت میں ''وصدغیہ'' اور کنپٹیوں کا مسح کیا، کا کوئی صحیح یا حسن شاہد نہیں ملا اور باقی حدیث شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایتیں بھی شواہد کے ساتھ حسن ہیں۔

۴۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ، وَاَنَّهٗ مَسَحَ رَأْسَهٗ بِمَاءٍ غَيْرَ فَضْلِ يَدَيْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ زَوَائِدَ.

اور عبداللہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور آپ نے تازہ پانی کے ساتھ سر کا مسح کیا۔ اسے ترمذی (۳۵ وقال: حسن صحیح) نے روایت کیا ہے اور مسلم (۲۳۶) نے اسے زوائد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

۴۱۶) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ ذَكَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقَيْنِ، وَقَالَ: ((**اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ**)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه، وَاَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَذَكَرَا: قَالَ حَمَّادٌ: لَا اَدْرِيْ: ((**اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ**)) مِنْ قَوْلِ اَبِيْ اُمَامَةَ اَمْ مِّنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

اور ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا (طریقۂ) وضو بیان کیا تو فرمایا: اور آپ گوشۂ چشم پر مسح کرتے اور فرماتے: دونوں کان سر میں سے ہیں۔

اسے ابن ماجہ (۴۴۴) ابوداود (۱۳۴) اور ترمذی (۳۷ وأعلّہ) نے روایت کیا ہے۔

ابوداود اور ترمذی نے بیان کیا کہ (اس کے راوی) حماد (بن زید) نے کہا: مجھے پتا نہیں کہ ''دونوں کان سر میں سے ہیں'' ابوامامہ کا قول ہے یا رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

شہر بن حوشب کی جمہور محدثین نے توثیق کی ہے۔ (دیکھئے مقالات الحدیث ص ۳۵۰۔۳۶۰)

نیز اس حدیث کے کئی شواہد بھی ہیں۔

۴۱۷) وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهٖ، قَالَ: جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ، فَاَرَاهُ ثَلَاثًا، ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: ((**هٰكَذَا الْوُضُوْءُ، فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ.**)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ مَعْنَاهُ.

عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا جو وضو کے بارے میں آپ سے پوچھ رہا تھا تو آپ نے تین تین دفعہ اعضائے وضو دھو کر اسے وضو کر کے دکھایا، پھر فرمایا: اسی طرح وضو ہے، پس جس نے اس پر زیادتی کی تو اس نے غلط کام کیا، زیادتی کی اور ظلم کیا۔ اسے نسائی (۱/ ۸۸ ح ۱۴۰) اور ابن ماجہ (۴۲۲) نے روایت کیا ہے، نیز ابوداود (۱۳۵) نے اس مفہوم کی روایت بیان کی ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

اسے ابن خزیمہ (۱۷۴) نے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: تین سے زیادہ دفعہ اعضائے وضو کو دھونا غلط اور ناجائز ہے، ایسا کام وہی لوگ کرتے ہیں جنھیں وسوسے کی بیماری ہوتی ہے۔ تین سے کم دفعہ مثلاً دو دو دفعہ اور ایک ایک دفعہ اعضائے وضو کو دھونا جائز ہے لیکن افضل تین تین دفعہ ہی ہے۔

۲: ایک غریب روایت میں ''جس نے کم کیا'' کے الفاظ بھی آئے ہیں، بعض علماء نے

اسے شاذ قرار دیا ہے اور اگر اسے بھی حسن تسلیم کیا جائے تو یہاں تعداد مراد نہیں بلکہ طریقۂ وضو میں کمی ہے، مثلاً اعضائے وضو کو پورا پورا نہ دھونا بلکہ کوئی جگہ خشک چھوڑ دینا اور یہ واقعی ظلم و ناجائز ہے۔

٤١٨) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَهٗ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ عَنْ يَمِيْنِ الْجَنَّةِ، قَالَ: اَیْ بُنَیَّ سَلِ اللّٰهَ الْجَنَّةَ، وَتَعَوَّذْ بِهٖ مِنَ النَّارِ، فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((**اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِی هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ يَّعْتَدُوْنَ فِی الطُّهُوْرِ وَالدُّعَاءِ.**)) رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه.

اور عبداللہ بن مغفل (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بیٹے کو کہتے ہو سنا: اے میرے اللہ! میں تجھ سے جنت کے دائیں طرف سفید محل مانگتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: اے بیٹے! اللہ سے جنت مانگ اور جہنم سے اللہ کی پناہ چاہ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں زیادتی کریں گے۔

اسے احمد (٤/ ٨٧ ح ١٦٩٢٤) ابوداود (٩٦) اور ابن ماجہ (٣٨٦٤) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

اسے ابن حبان (الموارد: ١٧١۔١٧٢) حاکم (١/ ٥٤٠) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

فقه الحدیث:

١: رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی بعض خبریں بذریعۂ وحی بتائی تھیں۔

٢: دعا میں مبالغہ کرنا اور سنت کا راستہ چھوڑ دینا مذموم کام ہے۔

٣: جن مقامات پر دعا ثابت نہیں، مثلاً نمازِ جنازہ سے سلام پھیرنے کے فوراً بعد دعا کرنا، فرائض اور سنن کے بعد اجتماعی دعا کرنا اور مروجہ فاتحہ خوانی کرنا وغیرہ بھی اس حدیث کی رُو سے ممنوع کام قرار پاتے ہیں۔

٤: وضو میں زیادتی کئی طرح سے ہے مثلاً:

ننگے پاؤں دھونے کے بجائے ان پر مسح کرنا، تین سے زیادہ دفعہ اعضائے وضو دھونا وغیرہ۔

ہم نے ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا جو بار بار کلی کر رہا تھا، بعض نے شمار کیا کہ اس نے ساٹھ سے زیادہ دفعہ کلی کی ہے۔ یہ طہارت میں زیادتی ہے۔

۵: دلیل بیان کر کے غلطی کی اصلاح کر دینی چاہئے۔

۶: دینی امور میں اپنی مرضی چلانا اور کتاب وسنت کو چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار کرنا غلط اور باطل ہے۔

۴۱۹) وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: **((اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَیْطَانًا یُقَالُ لَهٗ: اَلْوَلَهَانُ، فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَآءِ.))** رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ، وَابْنُ مَاجَه، وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ: هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ، وَلَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِیْثِ، لِاَنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَسْنَدَهٗ غَیْرَ خَارِجَةَ، وَهُوَلَیْسَ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا. اور اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: وضو کے لئے ایک شیطان (مقرر) ہے جسے وَلہان کہا جاتا ہے، لہٰذا پانی کے وسوسوں سے بچو۔

اسے ترمذی (۵۷) اور ابن ماجہ (۴۲۱) نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور اہلِ حدیث کے نزدیک اس کی سند قوی نہیں کیونکہ ہمارے علم کے مطابق اسے خارجہ (بن مصعب) کے سوا کسی نے بھی باسند بیان نہیں کیا اور ہمارے ساتھیوں کے نزدیک وہ القوی نہیں ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند سخت ضعیف ہے۔**

اس کے راوی خارجہ بن مصعب کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا:

"**ضعفه الجمهور**" اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ (طبقات المدلسین ۱۳۶/ ۵)

اورمزید فرمایا: "**متروك و كان يدلس عن الكذابين...**"

وہ متروک ہے اور وہ کذاب راویوں سے تدلیس کرتا تھا۔ (تقریب التہذیب: ۱۶۱۲)

۴۲۰) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرَفِ ثَوْبِهٖ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

اور معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو اپنے کپڑے کے کنارے سے اپنا چہرہ پونچھتے تھے۔

اسے ترمذی (۵۴ وضعفہ) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس سند میں دو وجہ ضعف ہیں:

۱: رشدین بن سعد ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب:۱۹۴۲)

حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ عراقی نے کہا:

"ضعفه الجمهور لسوء حفظه" جمہور نے اسے اس کے خراب حافظے کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ (تخریج الاحیاء ۸۴/۴ وفی المطبوع: راشد بن سعد، والصواب رشدین بن سعد کما فی اتحاف السادۃ المتقین وقال: ضعفہ الجمہو رلسوء حفظہ)

ہیثمی نے کہا: "ضعفه الجمهور" جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۶۶/۵)

نیز دیکھئے انوار الصحیفہ (ص ۱۹۰)

۲: دوسرا راوی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی بھی حافظے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸۶۴)

عراقی نے فرمایا: "ضعفه الجمهور" (تخریج الاحیاء ۱۹۹/۲)

ہیثمی نے کہا: " و قد ضعفه الجمهور " (مجمع الزوائد ۵۶/۵)

یاد رہے کہ خود امام ترمذی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس بات کی صراحت صاحبِ مشکوٰۃ سے رہ گئی ہے۔ واللہ اعلم

۴۲۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا اَعْضَاءَهُ بَعْدَ الْوُضُوْءِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ بِالْقَائِمِ، وَاَبُوْ مُعَاذٍ الرَّاوِيْ ضَعِيْفٌ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ.

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے

وضو کے بعد اعضائے وضو خشک کرتے تھے۔

اسے ترمذی (۵۳) نے روایت کیا اور فرمایا: یہ روایت گری ہوئی ہے اور اس کا راوی ابو معاذ (سلیمان بن ارقم) اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

سلیمان بن ارقم ضعیف راوی ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے خود صراحت کر دی ہے۔

نیز دیکھئے تقریب التہذیب (۲۵۳۲)

صحیح مسلم کا دفاع

عبدالرزاق بن عبدالشکور دَل (کراچی) نامی ایک شخص نے ''امعان النظر...'' کے نام سے، صحیح مسلم کی ایک حدیث کے خلاف ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ دعوت اہل حدیث (سندھ) میں شائع ہوا۔ (شمارہ: ۱۳۷تا۱۳۹)

اس کا جواب ابو عمر کاشف خان سلفی (کراچی) نے لکھا اور ثابت کیا کہ صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہے اور اسے ضعیف قرار دینا غلط ہے۔

دیکھئے: www.maktabahtulhadith.com

یزید کے بارے میں ایک صحیح حدیث کا دفاع

سہ ماہی رسالہ ''المکرّم'' گوجرانوالہ (شمارہ: ۱۷) میں محمد رفیق طاہر (ملتان) اور کفایت اللہ سنابلی (ہندوستان) کا ایک مشترکہ مضمون چھپا ہے، جس میں یزید کے بارے میں ایک صحیح حدیث کو ضعیف، منقطع اور موضوع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس کے مدلل جواب کے لئے دیکھئے:

www.maktabahtulhadith.com

کیا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یزید کی تعریف کی تھی؟

سوال بلاذری نے عبدالرحمٰن بن معاویہ سے نقل کیا ہے کہ عامر بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ہم مکہ میں تھے کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات کی خبر دینے والا ہمارے پاس سے گزرا تو ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، وہ بھی مکہ ہی میں تھے۔ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور دستر خوان لگایا جا چکا تھا لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا تو ہم نے ان سے کہا: اے ابوالعباس! ایک قاصد امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات کی خبر لایا ہے۔

یہ سن کر عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) کچھ دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا: اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) پر اپنی رحمت وسیع فرما۔ یقیناً آپ ان لوگوں کے مثل تو نہ تھے جو آپ سے پہلے گزر چکے لیکن آپ کے بعد بھی آپ جیسا کوئی نہ دیکھنے کو ملے گا اور آپ کا بیٹا یزید آپ کے خاندان کے صالح لوگوں میں سے ہے۔ اس لئے اے لوگو! اپنی اپنی جگہوں پر رہو اور اس کی بیعت کر کے اطاعت کرو۔ الخ (انساب الاشراف ۳۰۲/۵ [ص ۲۱۴۶] دوسرا نسخہ ۲۹۰/۵)

کیا یہ روایت صحیح یا حسن ہے؟ (ایک سائل)

الجواب اس روایت کے راوی ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث الانصاری الزرقی المدنی کے بارے میں حافظ ہیثمی نے فرمایا:

"والأکثر علی تضعیفه"

اور اکثر (جمہور) نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۳۲/۱)

حافظ ابن حجر نے انھیں "من السادسة" یعنی چھٹے طبقے میں ذکر کیا ہے۔

(تقریب التہذیب: ۴۰۱۱)

ابو الحویرث عبد الرحمٰن بن معاویہ کے ضعیف عند الجمہور ہونے کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون: عبد الرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث اور جمہور محدثین (دیکھئے ص ۴۵)

عامر بن مسعود بن اُمیہ بن خلف الجمحی رضی اللہ عنہ کے صحابی یا تابعی ہونے میں اختلاف ہے، اگر وہ صحابی ہیں تو عبد الرحمٰن بن معاویہ کی اُن سے روایت منقطع ہے، کیونکہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

"**السادسة: طبقة عاصروا الخامسة لكن لم يثبت لهم لقاء أحد من الصحابة كابن جريج**" (مقدمۃ التقریب ص ۱۵)

اور اگر وہ تابعی ہیں تو عبد الرحمٰن بن معاویہ کی ان سے ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ معاصرت ثابت ہے۔

حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں دونوں کے تراجم میں ایک دوسرے سے استادی شاگردی کا تعلق بھی بیان نہیں کیا اور نہ کسی اور کتاب میں ایسی کوئی صراحت ملی ہے، لہٰذا اس سند میں انقطاع کا شبہ ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ کہ یہ روایت عبد الرحمٰن بن معاویہ کے ضعف، نیز متصل نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے، لہٰذا معاصرین میں سے کسی محمد بن ہادی الشیبانی کا اسے حسن قرار دینا صحیح نہیں۔

جو شخص اس روایت کو حسن یا صحیح سمجھتا ہے، اُس پر یہ ضروری ہے کہ وہ عبد الرحمٰن بن معاویہ کی عامر بن مسعود سے ملاقات یا معاصرت ثابت کرے، نیز عبد الرحمٰن بن معاویہ کا جمہور کے نزدیک موثق ہونا بھی ثابت کرے، ورنہ علمی میدان میں بے دلیل دعووں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

تنبیہ: انساب الاشراف للبلاذری کے موجودہ مطبوعہ نسخے کے بارے میں صحیح تحقیق کی ضرورت ہے کہ کیا واقعی یہی نسخہ بلاذری سے ثابت ہے۔

(۲۶/ مارچ ۲۰۱۳ء)

کیا یزید شرابی اور تارکِ صلوٰۃ تھا؟

سوال ایک روایت میں آیا ہے کہ

''جب اہلِ مدینہ یزید (بن معاویہ) کے پاس سے واپس آئے تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں لیکن محمد بن حنفیہ نے ان کی بات سے انکار کر دیا، تو عبداللہ بن مطیع نے کہا:

یزید شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے اور کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ میں نے تو اس میں ایسا کچھ نہیں دیکھا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، جبکہ میں اس کے پاس جا چکا ہوں اور اس کے ساتھ قیام کر چکا ہوں۔

میں نے اس دوران میں اسے نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، علمِ دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا۔ تو لوگوں نے کہا: یزید ایسا آپ کو دکھانے کے لیے کر رہا تھا...'' الخ

(البدایہ والنہایہ ۸/۲۳۳، تاریخ الاسلام للذہبی ۵/۲۷۴)

کیا یہ روایت سنداً صحیح ہے؟ (ایک سائل)

الجواب یہ روایت حافظ ابن کثیر اور حافظ ذہبی دونوں نے بغیر کسی سند کے ساتھ ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف المدائنی (م ۲۲۴ھ) سے نقل کی ہے۔

مدائنی تو ۲۲۴ھ میں فوت ہوئے اور حافظ ابن کثیر ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

حافظ ذہبی ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور دونوں (ابن کثیر و ذہبی) نے یہ وضاحت و صراحت نہیں کی کہ انھوں نے یہ روایت مدائنی کی کسی کتاب یا کسی دوسری کتاب سے مدائنی کی سند سے نقل کی ہے، لہٰذا یہ روایت سخت منقطع و بے سند یعنی مردود ہے۔

جناب کفایت اللہ سنابلی صاحب کا یہ کہنا: ''اس روایت کو امام ابن کثیر اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے امام مدائنی کی کتاب سے سند کے ساتھ نقل کر دیا ہے...'' بالکل عجیب و غریب ہے۔ سنابلی صاحب کو کس نے بتایا ہے کہ حافظ ابن کثیر اور حافظ ذہبی نے یہ روایت مدائنی کی

فلاں کتاب سے نقل کی ہے؟

حوالہ پیش کریں اور مدائنی کی کتاب کا نام بھی بتائیں کہ اصل کتاب تلاش کر کے یہ روایت دیکھی جاسکے۔

نیز بطورِ الزام عرض ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یزید بن معاویہ کا شرابی اور تارک الصلوٰۃ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبداللہ بن مطیع بن الاسود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، یعنی وہ رؤیت کے لحاظ سے صحابی ہیں۔

انھیں حافظ ابن حبان، ابن الاثیر، ذہبی اور ابن حجر وغیرہم نے صحابہ میں ذکر کیا۔ (دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان ۳/ ۲۱۹، اسد الغابہ ۳/ ۲۶۲، تجرید اسماء الصحابہ للذہبی ۱/ ۳۳۵، فتح الباری ۶/ ۶۱۵ تحت ۳۶۰۲)

حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے: "لہ رؤیة" یعنی انھیں رؤیت حاصل ہے۔ (۳۶۲۶)

حافظ ابن کثیر نے بھی لکھا ہے:

"ولد في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم و حنّكه و دعاله بالبركة"

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انھیں گھٹی دی اور ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ (البدایہ والنہایہ ۹/ ۱۲۶، وفیات ۷۳ھ)

جب صحابی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ یزید شرابی ہے اور نمازیں بھی ترک کر دیتا ہے تو صحابی کے مقابلے میں تابعی کی بات کون سنتا ہے؟

دوسرے یہ کہ صحابی کی بات میں اثبات ہے اور تابعی کی بات میں نفی ہے اور مشہور اصول ہے کہ نفی پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک تو یہ روایت ہی ثابت نہیں، لہٰذا یزید بن معاویہ کا شرابی ہونا یا تارک الصلوٰۃ ہونا ثابت ہی نہیں۔ واللہ اعلم

(۲۶/ مارچ ۲۰۱۳ء)

حافظ زبیر علی زئی

ضعیف روایات اور بریلویہ و دیوبندیہ
(ظفر القادری بکھروی بریلوی کے جواب میں)
(قسط:۲، آخری)

۲۹) نافع (ثقہ تابعی) سے روایت ہے کہ بے شک ابن عمر (رضی اللہ عنہ) جب کسی (جاہل وناواقف) آدمی کو دیکھتے کہ وہ رکوع سے پہلے اور رکوع سے اٹھ کر رفع یدین نہیں کرتا تو وہ اسے کنکریوں سے مارتے تھے۔

(جزء رفع الیدین للبخاري: ۱۵، وصحہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۳/ ۴۰۵)

اس روایت کے بارے میں تراب الحق قادری بریلوی نے لکھا ہے:

''یہ روایت سخت مجروح، ضعیف اور نا قابلِ احتجاج ہے۔'' (رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ص ۱۰۸)

حالانکہ یہ روایت صحیح ہے۔ ولید بن مسلم صحیحین کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں، بلکہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''**متفق علی توثیقه في نفسه و إنما عابوا علیه کثرة التدلیس والتسویة**'' (ہدی الساری ص ۴۵۰)

ولید بن مسلم ثقہ مدلس ہیں لیکن انھوں نے اپنے استاد زید بن واقد سے سماع کی تصریح کردی ہے اور زید بن واقد نے امام نافع سے سماع کی تصریح کردی ہے۔ (التمہید ۹/ ۲۲۴)

یعنی یہ سماع مسلسل ہے، لہٰذا یہاں تدلیس تسویہ والا اعتراض بھی مردود ہے۔

اس صحیح روایت کو تراب صاحب نے سخت مجروح، ضعیف اور نا قابلِ احتجاج قرار دیا ہے، لہٰذا بریلویہ کو چاہیے کہ وہ اپنے اصول کی لاج رکھتے ہوئے اس ''ضعیف'' قرار دی ہوئی روایت پر علانیہ عمل کریں۔ کیا خیال ہے؟!

۳۰) سفیان ثوری کی بیان کردہ ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور جوتوں پر مسح کیا۔ (سنن ترمذی: ۹۹ وقال: هذا حدیث حسن صحیح)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور سند عن سے ہے، اس کے علاوہ باقی ساری سند صحیح ہے، نیز اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہما نے بھی صحیح قرار دیا ہے لیکن محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا: ''اس حدیث کی تصحیح میں امام ترمذیؒ سے تسامح ہوا ہے، چنانچہ محدثین کا اس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہے...'' (درس ترمذی ج ا ص ۳۳۶)

اتفاق والی بات غلط ہے۔

یہ تیس روایات بطورِ نمونہ اور مشتے از خروارے پیش کی گئی ہیں جن میں سے بہت سی روایات صحیح اور حسن ہیں، جبکہ آلِ بریلی اور آلِ دیوبند قولاً یا عملاً ان روایات کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

یاد رہے کہ ان روایات کی سندوں میں کوئی کذاب یا متروک راوی نہیں لہٰذا بریلویہ و دیوبندیہ کو چاہیے کہ وہ اپنی ان ''ضعیف'' روایات پر عمل کریں اور ان کے مطابق اپنے عقیدے بھی بنائیں۔

ظفر القادری بکھروی بریلوی رضا خانی کی چند عبارات بطورِ یاددہانی پیشِ خدمت ہیں:

ا: ''ضعیف احادیث کا کلی انکار کرنا، انکار حدیث کا دروازہ کھولنا ہے۔ اور منکرین احادیث کی کھلم کھلا حمایت کرنی ہے۔'' (چاریار مصطفیٰ اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۱)

۲: ''مگر آج کے یہ نااہل لوگ ضعیف روایات کو جھوٹی روایات کے ساتھ ملا رہے ہیں۔''

(ایضاً ص ۳۲)

۳: ''یہ دین نہیں، بے دینی ہے، یہ سلفیت نہیں، رافضیت ہے، یہ سنت نہیں، بدعت ہے، یہ راستہ مؤمنین کا نہیں بلکہ منکرین حدیث کا ہے۔'' الخ (ایضاً)

۴: ''اسلاف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ضعیف احادیث کو قبول کرتے تھے۔ اور اس پر عمل کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ اصول ہے۔ کہ اگر کوئی راوی ظاہر العدالۃ ہے۔ تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔'' (ایضاً)

اس نام نہاد ''اسلافی طریقے'' کی لاج رکھتے ہوئے اپنی قرار دی ہوئی ضعیف احادیث (جن میں سے تیس حوالے پیش کر دیئے گئے ہیں) کو قبول کریں اور ان پر عمل بھی

کریں، ورنہ اپنے ہی اصول کا جنازہ نہ نکالیں۔

یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب مذکورہ اصول ہرگز اُن سے باسند صحیح ثابت نہیں اور نہ آلِ بریلی و آلِ دیوبند میں سے کسی شخص میں ہمت ہے کہ وہ اس اصول کو صحیح یا حسن سند کے ساتھ امام صاحب سے ثابت کر سکے۔ بریلویہ اور دیوبندیہ دونوں فرقے امام ابوحنیفہ کے نام سے بہت سی من گھڑت اور جھوٹی باتیں لوگوں میں پھیلاتے ہیں، حالانکہ امام صاحب ان باتوں سے بری ہیں، لہٰذا جو شخص بھی امام ابوحنیفہ کے نام سے کوئی قول یا روایت پیش کرے تو اس سے صحیح و ثابت سند کا ضرور مطالبہ کریں۔

ان شاء اللہ دُم دبا کر بھاگ جائے گا۔

نیز نافع بن محمود المقدسی (دیکھئے فقرہ نمبر:۳) کی روایت کے سلسلے میں اس اصول کا جنازہ کیوں نکالا جاتا ہے؟ یہ بے اصولی اور دوغلی پالیسی کی کتنی شرمناک مثال ہے!

۵: ''یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی۔ کہ بہت سی وہ روایتیں جن پر محدثین ضعف کا حکم لگاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وہ صحیح ہیں۔'' (ایضاً ص ۳۲)

یہ بات امام ابوحنیفہ پر بہتان ہے اور وہ اس سے بری ہیں۔

۶: ''جو احادیث محدثین کے اصول پر ضعیف ہوں۔ ان کا ترک کرنا کسی امام کے ہاں ضروری نہیں۔'' (ایضاً ص ۳۴)

۷: ''کہ محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث سے حجت پکڑی جاتی تھی۔'' (ایضاً)

۸: ''لہٰذا ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث ضعیف کا مطلقاً انکار کرنا، انکارِ حدیث ہے۔'' (ایضاً ص ۳۶)

عرض ہے کہ پھر آپ لوگ مذکورہ ''ضعیف احادیث'' اور فقہ بریلویہ کے خلاف دوسری ضعیف روایات پر کیوں عمل نہیں کرتے؟

دوغلی پالیسی اور دورُخیاں چھوڑ دیں، ورنہ یاد رکھیں کہ حساب کتاب کا وقت دور نہیں بلکہ قریب ہے۔

قارئین کرام! تیس مثالوں کے بعد دو مزید روایتیں بھی پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، پھر وہ بہت زیادہ پریشان ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک طلاق قرار دیا اور رجوع کرنے کا اختیار دیا۔

(مسند احمد ۱/ ۲۶۵ ح ۲۳۸۷، مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ۲۵۰۰)

اس روایت کے بارے میں سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''یہ روایت بھی قابل احتجاج نہیں ہے...'' (عمدۃ الاثاث ص ۱۰۹)

یاد رہے کہ اس کے ایک راوی محمد بن اسحاق بن یسار جمہور محدثین کے نزدیک صدوق حسن الحدیث ہیں۔ عینی حنفی نے لکھا ہے:

ابن الجوزی کا ابن اسحاق پر جرح کرنا کوئی چیز نہیں کیونکہ ابن اسحاق جمہور کے نزدیک بڑے ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ۷/ ۲۷۰، تحقیقی مقالات ۳/ ۲۹۴)

احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ''ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے...'' (فتاویٰ رضویہ ج ۵/ ۵۹۲)

اس روایت کو عام بریلویہ و دیوبندیہ ہرگز نہیں مانتے، بلکہ طلاق کے مسئلے میں اس کے سراسر خلاف ہیں۔

۲) امام ابن ابی شیبہ نے فرمایا: ''**حدثنا حسین بن محمد قال: حدثنا جریر بن حازم عن عائشة قالت: قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبي بعده**'' روایت ہے کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: خاتم النبیین کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۹/ ۱۰۹۔۱۱۰ ح ۲۶۶۴۴، دوسرا نسخہ ۵/ ۳۳۷)

جریر بن حازم کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات نہیں، لہٰذا یہ سند منقطع یعنی ضعیف ہے۔

بریلویہ کا قادیانیہ کی اس دلیل کے بارے میں کیا خیال ہے؟

بکھروی بریلوی صاحب نے اپنے مضمون میں کچھ شبہات اور اکاذیب بھی پیش کیے

ہیں، جن کا جواب فقرات کی صورت میں درج ذیل ہے:

۱: ''اور زبیر صاحب نے ناصر الدین البانی کی تقلید میں سنن اربعہ میں سے ضعیف روایات کو اکٹھا کر کے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔'' (ضعیف احادیث کا کلی انکار ایک فتنہ ص ۱)

تقلید والی بات کالا جھوٹ اور بہتان ہے۔

۲: باز کے شکار کے بارے میں سنن ترمذی (۱۴۶۷) کی ایک روایت کو بکھروی صاحب نے پیش کر کے لکھا ہے: ''اس روایت پر اہلِ علم کا عمل ہے۔ سے ثابت ہوا کہ اہل علم ضعیف روایتوں کو قبول کرتے اور اس کی بنیاد پر عمل بھی کرتے تھے۔ یہ اہل علم صحابہ و تابعین، محدثین وفقہاء ہیں۔'' (چار یار مصطفیٰ اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۲)

عرض ہے کہ ''والعمل علٰی هذا'' کا مطلب اس روایت پر عمل نہیں بلکہ اس مسئلے پر عمل ہے۔ یہ حدیث واقعی ضعیف ہے لیکن قرآن مجید سے ثابت ہے کہ الجوارح کا شکار کیا ہوا حلال جانور حلال ہے۔ (دیکھئے سورۃ المائدہ:۴)

اس آیت کو امام ترمذی نے بھی اسی باب میں ذکر کیا ہے اور خیثمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے فرمایا: شکرا اور باز الجوارح میں سے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/ ۳۶۵ ح ۱۹۶۳۸، وسندہ صحیح، تفسیر طبری ۴/ ۳۴۴ ح ۱۱۱۶۷، الھیثم ھوابن حبیب الصیرفی)

امام زین العابدین علی بن حسین بن ابی طالب رحمہ اللہ نے بھی باز اور شکرے کو الجوارح میں سے قرار دیا۔ (تفسیر طبری: ۱۱۱۶۸، وسندہ حسن، عبداللہ بن عمر العمری عن نافع قوی)

یہ مسئلہ تو قرآن سے ثابت ہو گیا کہ الجوارح (باز وغیرہ) کا شکار حلال ہے، لہٰذا سنن ترمذی وغیرہ کی ضعیف روایت کی کوئی ضرورت نہیں۔

باز کے شکار کی دو صورتیں ہیں:

۱: شکار زندہ ہو اور باز نے اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا ہو، پھر آپ اسے مسنون طریقے سے ذبح کر دیں۔

یہ بلا اختلاف حلال ہے۔

۲: شکار مر جائے یا باز نے اس میں سے کھایا ہو۔

اس کے بارے میں سلف صالحین کے دو مسلک ہیں:

اول: عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر اس نے اس میں سے کھایا ہو تو اسے نہ کھاؤ۔ (تفسیر طبری ۴/ ۵۰ ۳ح ۱۱۲۰۷، وسندہ صحیح)

دوم: مکحول رحمہ اللہ نے فرمایا: اسے کھاؤ اگرچہ اس نے اس میں سے کھایا ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/ ۳۶۶ ح ۱۹۶۴۴، وسندہ صحیح)

اگر کسی مسئلے میں کتاب وسنت سے واضح دلیل نہ ملے تو اجماع اور آثار دیکھے جاتے ہیں۔

جب اجماع اور آثارِ صحیحہ ثابتہ سے مسئلہ ثابت ہو گیا تو ضعیف روایات کی ضرورت ہی کیا ہے؟!

ان دو آثار میں سے جن پر عمل کرلیں، اجتہاد کی وجہ سے عنداللہ ماجور ہوں گے۔ ان شاء اللہ

ہمارے نزدیک دوسرا اثر راجح ہے۔ واللہ اعلم

۳: ایک حدیث میں آیا ہے کہ زندہ جانور سے جو گوشت کاٹا جائے وہ مُردار ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۴۸۰، وقال الترمذی: ''حسن غریب...'' وصححہ ابن الجارود والحاکم والذھبی)

یہ حدیث بکھروی نے ترمذی کے حوالے سے نقل کر کے لکھا ہے:

''اب محدثین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے۔'' (ص ۳۳)

عرض ہے کہ بکھروی کا اس حدیث پر اعتراض دو وجہ سے باطل و مردود ہے:

اول: توثیق وتصحیحِ حدیث کے لحاظ سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار کو جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے لہٰذا وہ حسن الحدیث راوی ہیں۔

دوم: مستدرک الحاکم (۴/ ۲۳۹ ح ۷۵۹۸) میں اس کا ایک صحیح السند شاہد ہے، جسے حاکم اور ذہبی دونوں نے بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

لہٰذا حدیث صحیح اور بکھروی اعتراض باطل ہے۔ والحمد للہ

۴: ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ دار کی غلامی میں آجائے تو وہ آزاد

ہے۔ (دیکھئے سنن ترمذی: ۱۳۶۵، سنن ابی داود: ۳۹۴۹)

اسے ابن الجارود (۹۷۳) حاکم (۲/۲۱۴) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے اور سنن ابن ماجہ (۲۵۲۴) والی روایت بذاتِ خود حسن لذاتہ ہے، لہٰذا امام ترمذی کا اسے خطا قرار دینا بذاتِ خود خطا ہے۔

عاصم الاحول نے قتادہ کی متابعت کر رکھی ہے اور حسن بصری کی سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح ہوتی ہے، کیونکہ یہ کتاب سے روایت ہے اور کتاب پر جرح ثابت نہ ہو تو کتاب سے روایت صحیح ہوتی ہے۔

یہ کل تین روایات تھیں جو بکھروی نے پیش کیں اور آپ نے ان کی تحقیق دیکھ لی، لہٰذا عرض ہے کہ ''فیوض النبوی'' کے نام سے بکھروی صاحب جو ''موتی'' بکھیر رہے ہیں، علمی میدان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ بریلویت کی گرتی ہوئی دیواروں کو سہارا دینے کی ناکام کوشش ہے۔

۵: بکھروی صاحب نے امام ابوداود کے سکوت کا تذکرہ بھی کیا ہے، حالانکہ رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام وغیرہما مسائل کے سلسلے میں بریلویہ و دیوبندیہ دونوں فرقے سکوتِ ابی داود سے استدلال نہیں کرتے بلکہ اہلِ حدیث کی بیان کردہ کئی احادیث پر جرح کر دیتے ہیں اور اس طریقے سے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مار کر ضعیف روایت کی حجیت کے اصول کے پرخچے اڑا دیتے ہیں۔

۶: بکھروی صاحب نے صحیح بخاری (۶۵۴۱) میں اسید بن زید (ایک ضعیف راوی) کی نشاندہی کی ہے۔

عرض ہے کہ یہ راوی صحیح بخاری کے اصول و بنیادی روایتوں کا راوی نہیں بلکہ اس کی صحیح بخاری میں صرف ایک روایت ہے اور وہ بھی متابعات میں ہے۔ اسید نے یہ حدیث امام ہشیم بن بشیر سے بیان کی اور یہی حدیث درج ذیل راویوں نے بھی اسی طرح امام ہشیم سے بیان کی ہے:

۱: سریج بن النعمان (مسند احمد ۱/ ۲۷۱ ح ۲۴۴۸)

۲: شجاع بن مخلد الفلاس (زوائد مسند احمد ۱/ ۲۷۱ ح ۲۴۴۹)

۳: سعید بن منصور (صحیح مسلم: ۲۲۰/ ۵۲۷)

۴: زکریا بن یحییٰ زحمویہ (شعب الایمان للبیہقی: ۱۱۶۳۳، کتاب الایمان لابن مندہ: ۹۸۲)

اتنی متابعات صحیحہ کے بعد بھی اسید بن زید کی اس روایت پر اعتراض کرنا بڑا ظلم ہے۔

اگر کہا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ضعیف راوی کو کیوں اہمیت دی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اسے ضعیف نہیں بلکہ صدوق سمجھتے تھے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ کتاب الضعفاء میں اسید بن زید کو نہیں لائے۔ (نیز دیکھئے التاریخ الکبیر ۲/ ۱۵)

ہم تو جمہور محدثین کے پابند ہیں، لہٰذا اس راوی کو ضعیف اور صحیح بخاری میں اس کی بیان کردہ حدیث کو متابعات و شواہد کی وجہ سے صحیح سمجھتے ہیں۔ والحمدللہ

۷: بکھروی صاحب نے صحیح بخاری کی ایک معلق روایت (قبل ح ۳۵۱) کے بارے میں لکھا ہے: ''امام بخاری کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔'' (چار یار مصطفیٰ ص ۳۵)

عرض ہے کہ یہ حدیث سنن ابی داود (۶۳۲) وغیرہ میں ہے اور اسے ابن خزیمہ (۷۷۷، ۸۷۷) ابن حبان (۲۲۹۱) حاکم (۱/ ۲۵۰) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے، نیز ابوداود نے سکوت (!) کیا ہے۔

اس کے راوی موسیٰ بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن المخزومی جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں، لہٰذا یہ حدیث حسن ہے اور امام بخاری کا اسے ضعیف قرار دینا صحیح نہیں۔

۸: ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص وضو کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا اُس کا وضو نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی وغیرہ)

اس حدیث کے بارے میں بکھروی نے لکھا ہے: ''یہ روایت ضعیف ہے۔''

(چار یار مصطفیٰ اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۶)

حالانکہ اس مسئلے میں سنن ابن ماجہ (۳۹۷)اور مسند احمد (۴۱/۳) کی حدیث حسن لذاتہ ہےاور بوصیری نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

۹: آمین بالجہر کے بارے میں بکھروی نے تدلیس و تلبیس سے کام لیتے ہوئے سنن ابن ماجہ (۸۵۳) کی ایک ضعیف روایت نقل کی اور لکھا ہے: ''مگر غیر مقلدین کے عوام اور انکے محدثین و محققین نے اس ضعیف حدیث کو قبول کیا ہے۔ کیونکہ اپنے مطلب کی ہے۔''

(ایضاً ص۳۶)

عرض ہے کہ اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت نے اس روایت کو قبول نہیں کیا بلکہ رد کر دیا ہے۔ (دیکھئے انوار الصحیفہ ص۴۶ ح۹۳۴، ص۴۰۸ ح۸۵۳)

نیز یاد رہے کہ اس روایت پر امام ابوداود نے سکوت (!!) فرمایا ہے۔ (دیکھئے ح۹۳۴)

ہم جن دلائل کی وجہ سے آمین بالجہر کے قائل و فاعل ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ''فجھر بآمین'' پس آپ نے آمین بالجہر کہی۔ (سنن ابی داود: ۹۳۳ وسکت علیہ وسندہ حسن لذاتہ)

(۲) سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے مقتدی اونچی آواز میں آمین کہتے تھے۔

(دیکھئے صحیح بخاری قبل ح ۷۸۰، القول المتین ص۴۷)

اس کے خلاف کسی صحابی سے کچھ بھی ثابت نہیں، لہٰذا یہ اجماع ہے۔

(۳) عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے لوگوں کو اونچی آواز سے آمین کہتے ہوئے پایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۲۵ وسندہ حسن، القول المتین ص۵۳)

(۴) یہود کے حسد والی حدیث (دیکھئے سنن ابن ماجہ: ۸۵۶ وسندہ صحیح وصححہ المنذری والبوصیری)

تفصیل کے لئے میری کتاب: القول المتین فی الجہر بالتامین پڑھ لیں اور اہلِ حدیث کے خلاف ''غیر مقلدین'' کا ناپسندیدہ لفظ استعمال کر کے جھوٹا پروپیگنڈا نہ کریں۔

۱۰: بکھروی نے لکھا ہے: ''...ظہر کی نماز سارا سال اول وقت میں پڑھتے ہیں۔ جامع ترمذی ۲۹۲/۱ برقم ۱۵۵ ایک روایت ہے۔ یہ ضعیف روایت ہے۔ اس کو ناصر الدین البانی

نے بھی ضعیف کہا ہے۔اس کی سند میں ایک راوی حکیم بن جبیر ہے۔محدثین نے اس پر سخت کلام کیا ہے۔" (ایضاص ۳۶)

عرض ہے کہ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"ما رأیت أحدًا کان أشدّ تعجیلًا للظهر من رسول الله ﷺ ولا من أبي بکر ولا من عمر." (سنن ترمذی ص ۵۷ وقال في حکیم بن جبیر: "ولم یریحیي بحدیثه بأسًا")

عرض ہے کہ حکیم بن جبیر کا اس روایت میں تفرد نہیں بلکہ سفیان ثوری عن منصور عن ابراہیم کی سند سے بھی یہ روایت موجود ہے۔ (دیکھئے السنن الکبری للبیہقی ۱/ ۴۳۷)

نیز اس کے کئی شواہد بھی ہیں۔مثلاً:

(۱) ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "کان رسول اللّٰه ﷺ أشدّ تعجیلًا للظهر منکم..." (سنن ترمذی: ۱۶۱، وسندہ صحیح، مسند احمد ۶/ ۲۸۹، ۳۱۰)

(۲) سنن ابی داود (۳۹۹ وسندہ حسن)

(۳) صحیح مسلم (۶۱۹/ ۱۴۰۵۔۱۴۰۶)

(۴) ایک حدیث میں آیا ہے کہ اول وقت نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۱۶۹ ح ۳۲۷، صحیح ابن حبان: ۲۸۰ وصححہ الحاکم ۱/ ۱۸۸۔۱۸۹ ح ۶۷۵ ووافقہ الذہبی)

نیز دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین (ص ۲۱ ح ۵)

ان شواہد صحیحہ کے ساتھ ترمذی والی روایت بھی حسن ہے اور اہلِ حدیث کا عمل احادیث صحیحہ پر ہے لہٰذا حکیم بن جبیر کی روایت سے ان پر اعتراض غلط ہے۔

ویسے عرض ہے کہ اگر سنن ترمذی والی حدیث آپ لوگوں کے نزدیک ضعیف ہے تو آپ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ ضعیف روایات کا دفاع بھی اور پھر اپنی ضعیف کردہ روایات پر عمل نہ کرنا عجیب دوغلی پالیسی ہے۔

آخر میں بکھروی صاحب، تمام بریلویہ اور دیوبندیہ کے اُن اشخاص کی "خدمت" میں عرض ہے جو کہ ضعیف روایات کو حجت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: "احادیث ضعیفہ کا مطلقاً انکار

کرنا، انکارِ حدیث ہے۔''

وہ بسم اللہ کریں اور اس مضمون میں مذکورہ تمام احادیث (جنھیں یہ لوگ ضعیف سمجھتے ہیں) پر عمل کریں، ورنہ اپنے ہی اصول کے مطابق منکرین حدیث میں اپنا نام درج کروا دیں۔

جب وہ ان ضعیف روایات پر عمل کریں گے تو ان شاء اللہ ہم ان کی ''خدمات'' میں صحیح و حسن لذاتہ روایات بھی پیش کر دیں گے جن پر یہ لوگ قطعاً عمل نہیں کرتے، بلکہ بعض احادیث صحیحہ کو ضعیف باور کرانے کی کوششوں میں جُتے ہوئے ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۶/شوال ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۴ ستمبر ۲۰۱۲ء)

ضعیف + ضعیف والی ''حسن لغیرہ'' کے قائلین کے لئے لمحۂ فکریہ!

جو لوگ ضعیف + ضعیف والی روایات کو ''حسن لغیرہ'' قرار دے کر حجت سمجھتے ہیں اور نام نہاد اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں، اُن سے مطالبہ ہے کہ

۱: وہ پہلے اپنی اس نام نہاد ''حسن لغیرہ'' روایت کی واضح تعریف لکھیں۔

۲: پھر خیر القرون کے غیر متساہل محدثین کرام سے اس کا حجت ہونا صراحتاً ثابت کریں۔

۳: ایسی تین روایات بطورِ مثال پیش کریں، جنھیں متقدمین محدثین نے یہ کہہ کر قبول کیا کہ یہ سب روایتیں ضعیف ہیں لیکن باہم مل کر ''حسن لغیرہ'' یعنی حجت (!) بن گئی ہیں۔

۴: ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع شدہ درج ذیل تین تحقیقی مضامین کا مکمل و مدلل جواب لکھیں:

☆ تلک الغرانیق کا قصہ اور اس کا رد (شمارہ: ۸۳ ص ۲۱-۳۵)

☆ ابن حزم اور ضعیف + ضعیف کی مروّجہ حسن لغیرہ کا مسئلہ؟ (شمارہ: ۸۶ ص ۹-۱۸)

☆ محدثین کرام اور ضعیف + ضعیف کی مروّجہ حسن لغیرہ کا مسئلہ؟ (شمارہ: ۸۷ ص ۳۵-۴۷)

حافظ ندیم ظہیر

مقالہ ''حسن لغیرہ'' پر ایک نظر

(قسط نمبر۲)

''بعض کا بعض سے مل کر تقویت حاصل کرنا''

اس اصطلاح کا استعمال اگرچہ ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ کے قائلین کے ہاں ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں اضطراب بھی پایا جاتا ہے جو اس اصطلاح کے کمزور اور نا قابل اعتبار ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔

ہمارے فاضل بھائی نے لکھا ہے: ''امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**إذا ضم بعضها إلى بعض قويت**'' (بیہقی: ۲/ ۴۱۶، ۵/ ۳۱۵) ''جب بعض بعض سے ملتا ہے تو تقویت حاصل کرلیتا ہے۔'' (مقالات اثریہ ص ۶۶)

امام بیہقی رحمہ اللہ درج بالا عبارت سے متصل فرماتے ہیں: ''**وكأنها لم تثبت عند الشافعي رحمه الله حين قال: ولا يتبين لي في بول الصبي والجارية فرق من السنة الثابتة، وإلى مثل ذلك ذهب البخاري و مسلم**''

(السنن الکبریٰ ۲/ ۴۱۶)

جب امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے کسی ثابت سنت سے بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق معلوم نہیں تو گویا ان کے نزدیک وہ روایت (بعض کا بعض سے ملنے کے باوجود) ثابت نہیں اور یہی رجحان امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کا ہے۔

ایک محتاط رائے کے مطابق یہ اصطلاح سب سے پہلے امام بیہقی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اور امام بیہقی مشہور متساہل ہیں، نیز امام بیہقی نے خود اپنی اصطلاح کی تردید جلیل القدر ائمہ دین سے نقل کر کے اس کی حیثیت واضح کر دی ہے۔

محترم خبیب صاحب نے بیہقی ہی کا ایک حوالہ اور نقل کیا ہے، لیکن وہ انھیں مفید نہیں کیونکہ وہ ''بعض کا بعض ثابت'' سے مل کر تقویت حاصل کرنا ہے۔

(دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/ ۳۱۵)

اور ان کا مقصود تو ضعیف + ضعیف سے تقویت (!) ہے۔

ہمارے فاضل بھائی نے لکھا: ''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **إذا ضم إليه حديث أبي ذر و أبي الدرداء قوي، وصلح للاحتجاج به** '' (فتح الباری ۳/ ۵۴، ۴۹۸)

''جب اس کے ساتھ حضرت ابوذر، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کی حدیث مل گئی تو وہ قوی ہوگئی اور اس سے احتجاج درست ہوگیا۔'' (مقالات اثریہ ص ٦٦)

ہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی کی تحریر سے واضح کرنا چاہیں گے کہ یہ اصطلاح ان کے ہاں کس قدر معتبر ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے درج بالا تینوں روایتیں اپنی کتاب **التلخیص الحبیر** میں نقل کر کے حسب ترتیب فرمایا: '' **قلت : و إسناده ضعيف . و في الباب :عن أبي ذر رواه البيهقي، و عن أبى الدرداء رواه الطبراني ، و إسنادهما ضعيفان** ''

میں کہتا ہوں: (حدیث انس رضی اللہ عنہ) اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اس باب میں حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ جسے بیہقی نے روایت کیا اور حدیث ابودرداء رضی اللہ عنہ جسے طبرانی نے روایت کیا ہے بھی ہیں اور ان دونوں کی سندیں ضعیف ہیں۔ (التلخیص الحبیر ۲/ ۵۰، ۵۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ہر ایک روایت کو ضعیف قرار دے کر ثابت کر دیا ہے کہ ضعیف + ضعیف کی یہ اصطلاح ناقابل اعتبار ہے۔ یاد رہے کہ انھوں نے یہاں ان تینوں روایتوں کو رد کر کے صحیح مسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

یہ بات بھی قارئین کے لئے فائدے سے خالی نہیں ہوگی کہ ان روایات کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **و في إسناده نظر** '' اس کی اسناد میں نظر (ضعف) ہے۔ (السنن الکبریٰ ۳/ ۴۸)

''حسن مجازی''

محترم خبیب صاحب نے علامہ سخاوی کی ایک عبارت سے حسن مجازی کی اصطلاح کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔(دیکھئے مقالات اثریہ ص ۶۷)

ہم ان سے پھر یہی عرض کریں گے کہ کسی بھی نام سے (ضعیف + ضعیف کی) عمارت کھڑی کرلیں، لیکن اگر بنیاد کمزور ہو تو وہ گرجاتی ہے۔ ع

شاخ نازک پہ جو آشیانہ بنے گا وہ ناپائیدار ہوگا

نیز اس عبارت میں ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ کے قائلین کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ اتنی تگ و دو کے بعد بھی اسے ضعیف کے مراتب سے باہر نہیں نکال سکے!!

''یعضد جیسے صیغوں کا استعمال''

ہم حسن لغیرہ کے مترادف الفاظ کے بارے میں کافی تصریحات بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی واضح رہے کہ **یعضد** وغیرہ کا مطلق استعمال ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ پر کرنا کم فہمی کی دلیل ہے، کیونکہ محدثین وفقہاء نے اس کا استعمال مختلف مواقع پر مختلف معنی و مفہوم میں کیا ہے۔ دور مت جایئے محترم خبیب صاحب نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا جو حوالہ دیا ہے اس میں تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیث کو حسن لذاتہ ثابت کرنے کے بعد ''**یعضد بعضها بعضًا**'' کے ذریعے سے اسے صحیح لغیرہ بنا رہے ہیں۔(دیکھئے فتح الباری ۲/۴۷۲)

اسی طرح بعض محدثین نے ایک روایت کی تائید میں دوسری روایت کو بیان کرنے کے لئے بھی اس کا استعمال کیا ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**و هذا إسناد حسن صحيح ، وهو يعضد ما تقدم**'' اس کی سند حسن صحیح ہے اور یہ پہلی حدیث کی مؤید (شاہد) ہے۔(التمہید ۲۱/۱۶۲)

اس سلسلے میں ہمارے نزدیک محدثین کی یہی تشریح راجح ہے۔

تقویت کے قابل ضعف؟؟

خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''جس حدیث میں ہلکا ضعف ہوتو وہ حدیث تقویت حاصل کرنے کی لیاقت رکھتی ہے اور خفیف ضعف کا خلاصہ درج ذیل ہے:
(۱) راوی کا حافظہ کمزور ہونا۔ (سوءِ حفظ ہونا) (۲) مرسل حدیث ہو.....''

(مقالات اثریہ ص ۶۸)

یقیناً مضبوط شاہد یا متابعت کے ذریعے سے یہ ضعف زائل ہوسکتا ہے، لیکن اگر اس سے مراد وہی ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ والا کلیہ ہے تو یہ محل نظر ہے۔
اس سلسلے میں ہم چند ایک مثالیں پیش خدمت کرتے ہیں:
☆ صلاۃ التسبیح کے بارے میں حسن لذاتہ حدیث کے علاوہ تقریباً ۹ طرق (معمولی) ضعف والے ہیں، لیکن محدثین کی ایک جماعت نے درج بالا اصول کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **ليس فيها حديث يثبت** '' اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ (مسائل احمد واسحاق: ۳۳۵۳)
نیز فرمایا: '' **لم تثبت عندي صلاة التسبيح** '' میرے نزدیک صلاۃ التسبیح ثابت نہیں۔ (مسائل احمد: ۳۱۵)
امام ابوجعفر العقیلی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **وليس في صلاة التسبيح حديث يثبت** '' نماز تسبیح کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ۱/۳۵۹ ت ۵۷۵)
امام ابن تیمیہ نے اس کی شدید تردید کی ہے۔ (منہاج السنۃ ۴/۱۱۶)
مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **والحق :أن طرقه كلها ضعيفة** '' حق یہی ہے کہ اس کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ۲/۶۲۰)

تنبیہ: سنن ابی داود (۱۲۹۷) والی حدیث ہمارے نزدیک حسن لذاتہ ہے کیونکہ موسیٰ بن عبدالعزیز جمہور کے نزدیک حسن الحدیث ہیں، البتہ بعض علماء نے انھیں مجہول قرار دے کر اس روایت کو ضعیف کہا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک ''ضعف'' ضعف سے تقویت حاصل کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

☆ اس سلسلے میں کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، مثلاً عیدین میں زائد تکبیریں وغیرہ۔ امام حاکم اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ نے حدیث عائشہ، ابن عمر، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کے طرق کو فاسدہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے المستدرک للحاکم (۱/۱۹۸)

لیکن ہم یہاں واضح کرنا چاہتے ہیں کہ خود خبیب صاحب کے ہاں بھی یہ ضعف خفیف نہیں بلکہ شدید ہے اور تقویت حاصل کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''خفیف ضعف کا خلاصہ درج ذیل ہے:

راوی کا حافظہ کمزور ہونا۔ (سوء حفظ ہونا)''

اب اپنی اس بات کا رد اپنے ہی قلم سے کس طرح کرتے ہیں؟ ملاحظہ ہو:

''ضعف کا پہلا سبب: سوءِ حفظ: ان کے سیء الحفظ ہونے کی بنا پر ہی حافظ ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ نے انھیں ردیٔ الحفظ قرار دیا ہے۔'' (مقالات اثریہ ص ۵۲۹)

قارئین کرام آگاہ رہیں کہ خبیب صاحب شواہد کا رد کر رہے ہیں جس میں ضعف کا پہلا سبب ہی سوءِ حفظ کو قرار دیا گیا ہے۔

خبیب صاحب نے خفیف ضعف میں مرسل حدیث کا بھی ذکر کیا ہے، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تو صحابی کی مرسل کو بھی لائق التفات نہیں جانتے۔ دیکھئے تنقیح الکلام (ص ۳۰۹)

خود خبیب صاحب نے کئی بار مرسل کو بطور جرح پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''تیسری علت: حجاج کی مرسل روایت'' نیز لکھا ہے: ''اس سند میں دوسری علت یہ ہے کہ کثیر بن مرہ اسے مرسلاً بیان کرتے ہیں'' (مقالات اثریہ ص ۵۲۶، ۵۲۷)

اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ خبیب صاحب نے کس طرح اپنے ہی اصولوں کی قربانی دے کر نصف شعبان والی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، حالانکہ ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ کے قائلین میں سے بعض اسے حسن کہہ چکے ہیں۔

خبیب صاحب ''تقویت کے قابل ضعف'' ہی میں لکھتے ہیں: ''جس راوی کو غلطی اور خطا سے موصوف قرار دیا گیا ہو'' (مقالات اثریہ ص ٦٩)

لیکن خود موصوف نے عبداللہ بن لہیعہ کے بارے میں جو قلمکاری کی ہے وہ نہ صرف درج بالا عبارت کی تردید ہے بلکہ استاذ محدث اثری اور خبیب صاحب کے فکری تضاد کی واضح مثال ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ عرصہ دراز سے عبداللہ بن لہیعہ کا دفاع کرتے آرہے ہیں اور متابعت میں ابن لہیعہ کی روایت کو حجت قرار دیتے ہیں۔

(دیکھئے توضیح الکلام ٢/ ١٣١، نسخہ جدیدہ ص ١٩٠، تنقیح الکلام ص ٣٥٧، اعلاء السنن فی المیزان ص ٢٢٥ وغیرہ)

''مقالات محدث مبارکپوری'' جو مولانا ارشاد الحق اثری اور خبیب صاحب کی مراجعت سے مطبوع ہے، اس کتاب (ص ٢١٨) میں محدث مبارکپوری رحمہ اللہ، ابن لہیعہ کی روایت بطور شاہد و مؤید بیان کر رہے ہیں۔ ہم پوچھنا چاہیں گے کہ یہاں خاموشی... کس بات کی پردہ داری ہے؟ **یا پھر جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے!**

قارئین کرام! ہماری ان گزارشات سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ نہ صرف محدثین بلکہ خود خبیب صاحب کے نزدیک بھی ضعف، ضعف سے تقویت حاصل کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ [جاری ہے۔ ان شاء اللہ]

حافظ زبیر علی زئی

جنات کے نام: حرزِ ابی دجانہ والی روایت موضوع ہے

کسی ''خانقاہ شریف'' سے عطاء اللہ (دیوبندی) نے ''حرزِ ابی دجانہ رضی اللہ عنہ جنات کے نام'' سے دو صفحات کا ایک مضمون لکھا ہے جو دیوبندیوں کے ''مجلّہ المصطفیٰ بہاولپور'' کی اشاعت ۳۵ (ربیع الاول ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ) میں ص ۲۶۔۲۷ پر شائع ہوا ہے اور اس کا عکس درج ذیل ہے:

روحانی اعمال | ربیع اول ربیع ثانی | ۱۴۳۴ھ

سیدنا حضرت ابی دجانہؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آج رات میں نے ایک آواز سنی، چکی کی آواز کی طرح، کبھی وہ آواز مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دیتی اور بجلی جیسی چمک دیکھی۔

میں نے جب سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک سیاہ سایہ میرے گھر کے صحن کے اوپر کی جانب بڑھ رہا ہے۔

تو میرے دیکھتے اس نے میری جانب ایک انگارہ پھینکا جیسے کہ آگ کی چنگاری ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو دیکھ کر فرمایا قلم دوات لاؤ اور پھر یہ دعا لکھی۔

حضرت ابودجانہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ دعا لی اور تعویذ بنا کر رات کو اپنے تکیے میں رکھا اور سو گیا۔ تو پوری رات جن کے رونے کی آواز آتی رہی، اور میں نے جن کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ اے ابودجانہؓ تم نے تو اس تعویذ سے جلا دیا۔ اسے ہٹا لو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی تمہارے گھر بلکہ تمہارے پڑوس میں بھی کسی کے گھر بلکہ جہاں یہ نقش ہوگا وہاں اس مکان میں بھی نہیں آوں گا۔

وہ دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اِلٰى مَنْ يَّطْرُقُ الدَّارَ مِنَ الْعُمَّارِ وَالزُّوَّارِ وَلَا طَارِقًا يَّطْرُقُ بِخَيْرٍ. اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْحَقِّ سِعَةً فَاِنْ كُنْتَ عَاشِقًا مُّوْلِعًا اَوْ فَاجِرًا مُّقْتَحِمًا فَهٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ عَلَيْنَا وَعَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَرُسُلُنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ اُتْرُكُوْا صَاحِبَ كِتَابِيْ هٰذَا وَانْطَلِقُوْا اِلٰى عَبَدَةِ الْاَصْنَامِ وَاِلٰى مَنْ يَّزْعَمُ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ، لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ حٰمٓ عٓسٓقٓ تَفَرَّقَ اَعْدَاءُ اللّٰهِ وَبَلَغَتْ حُجَّةُ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ، وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

ایک مومن اپنے اچھے اخلاق سے اس شخص کا درجہ حاصل کرتا ہے جو بہت روزے رکھتا اور نمازیں ادا کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

اس نقش کے فوائد

[۱] اگر صاف صاف لکھ کر مکان کی دیوار پر چسپاں کر دیا جائے۔ تو جنات کے شر سے وہ چار دیواری اور مکان محفوظ رہتا ہے۔

[۲] جو آدمی جنات کو دیکھ کر ڈرتا ہو یا اس کو نظر آتے ہوں تو اس کو لکھ کر تکیے کے نیچے رکھ دیں۔

[۳] یا اس کو لکھ کر دیکھ لیا کرے خوف کے وقت۔

[۴] اگر مریض کی آنکھ بند ہو جائے تو اس کی پیشانی پر رکھ دیں۔

[۵] جس گھر میں جنات چوری کرتے ہوں تو اس میں یہ آیت لکھ کر یہ تعویذ سامان میں رکھ دیں۔ یا کمرے میں لگا دیں یا الماری میں رکھیں۔ ''اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا جَزَاءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ''

[۶] جس مکان کی دیوار پر سائے نظر آتے ہوں تو اس پر لٹکا دیا جائے تب بھی وہ سایہ غائب ہو جائے گا۔

[۷] جس مکان میں آواز آتی ہو۔ یا شور آتا ہو یا مختلف آوازیں آتی ہوں یا دروازے بجتے ہوں تو اس کو لٹکا دیں۔

[۸] جس مکان میں آگ لگ جاتی ہو کپڑوں میں یا بستروں میں، تو اس مکان میں بھی لٹکا دیا جائے۔

[۹] جنگلوں میں رہنے والے آدمی یہ دعا درختوں پر لگا دیں۔

[۱۰] اگر کوئی مریضہ گلے میں تعویذ نہ رہنے دے تو اس کے سر کے بالوں سے باندھ دیں۔

[۱۱] اگر کسی مرد یا عورت پر جن عاشق ہو جائے اور وہ جان نہ چھوڑتا ہو تو یہ تعویذ استعمال کیا جائے۔ ۱۔ پلائیں، ۲۔ تکیے میں رکھیں، ۳۔ لٹکا دیں۔

اس کو حرز ابی دجانہ کہتے ہیں اس کو کئی مفسرین نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے جو کہ بہشتی زیور، خصائص الکبریٰ، الجامع الکبیر امام سیوطیؒ میں بھی ہے علاوہ ازیں اور کتب میں بھی ہے۔ مرشد العلماء، پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت سید نفیس الحسینیؒ باقاعدہ اس نقش کو لکھ کر مریدین کو بطور ہدیہ عنایت فرماتے اور تکیے میں ڈالنے کی اجازت بھی دیتے تھے۔ میں حضرت کے ایصال ثواب کے لئے نقل کرتا ہوں اور تمام اہل اسلام کو اس سے مستفید ہونے کی اجازت بھی دیتا ہوں۔ یہ نقش لکھ کر دعا حرز ابی دجانہؓ بعد میں لکھیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

قل	هو	الله	احد
الله	الصمد	لم	يلد
ولم	يو	لد	ولم
يكن	له	كفوا	احدا

حضور ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو ناپسند فرمایا کرتے تھے اور نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

اس رسالے پر مدیر وغیرہ کے سلسلے میں محمد یوسف الحسین، عبد الصمد اور عطاء الرحمٰن (دیوبندیوں) کے نام لکھے ہوئے ہیں۔

یہ روایت بہشتی زیور، خصائص کبریٰ للسیوطی اور الجامع الکبیر للسیوطی میں بے سند ہے، لیکن حافظ ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ نے اسے درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے: ''أخبرنا أبو سهل محمد بن نصرويه المروزي قال: حدثنا أبو أحمد علي بن محمد بن عبد الله الحبيبي المروزي قال: أخبرنا أبو دجانة محمد بن أحمد بن سلمة بن يحيى بن سلمة بن عبد الله بن زيد بن خالد بن أبي دجانة... قال:

حدثني أبي أحمد بن سلمة قال: حدثنا أبي سلمة بن يحيى قال: حدثنا أبي يحيى بن سلمة قال: حدثنا أبي سلمة بن عبد الله قال: حدثنا أبي عبد الله ابن زيد بن خالد قال: حدثنا أبي زيد بن خالد قال: حدثنا أبي خالد بن أبي دجانة قال: سمعت أبي أبا دجانة.. '' (دلائل النبوۃ ۷/ ۱۱۸۔۱۱۹، دوسرا نسخہ ۷/ ۸۸ ح ۳۱۰۸)

یہ روایت لکھنے کے بعد حافظ بیہقی نے فرمایا:

''و قدروي في حرز أبي دجانة حديث طويل وهو موضوع، لا تحل روايته، والله تعالیٰ أعلم بالصواب... '' اور حرزِ ابی دجانہ کے بارے میں طویل حدیث مروی ہے اور وہ موضوع (من گھڑت، جھوٹی) ہے، اس کی روایت بیان کرنا حلال نہیں اور اللہ تعالیٰ صحیح کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۱۹، دوسرا نسخہ ص ۸۹)

اس روایت کی سند میں علی بن محمد بن عبداللہ الحبیبی المروزی کذاب ہے۔

اس کے شاگرد حاکم نیشاپوری نے فرمایا: ''كان يكذب... '' وہ جھوٹ بولتا تھا۔

(سوالات مسعود بن علی السجزی للحاکم: ۳۰ ص ۷۴)

امام ابوزرعہ احمد بن الحسین الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ضعيف جدًا'' وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔ (سوالات حمزہ بن یوسف السہمی للدارقطنی وغیرہ: ۴۰۷ ص ۲۷۹)

امام دارقطنی نے عبدالرحمٰن بن محمد الحبیبی المروزی اور علی بن محمد الحبیبی المروزی دونوں کے بارے میں فرمایا: ''يحدثان بنسخ و أحاديث مناكير'' وہ دونوں (منکر) نسخے اور منکر حدیثیں بیان کرتے تھے۔ (المؤتلف والمختلف ۲/ ۹۵۷۔۹۵۸)

حافظ ابویعلیٰ الخلیلی نے فرمایا: وہ معرفت اور حفظ والا تھا لیکن اس نے نسخے اور منکر احادیث بیان کیں جن میں اس کی متابعت نہیں کی گئی اور وہ اس کے ساتھ مشہور ہے۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۳/ ۹۰۶ ت ۸۳۱)

حبیبی کذاب کے بعد ابودجانہ محمد بن احمد سے لے کر خالد بن ابی دجانہ تک تمام راوی مجہول العین یا مجہول الحال ہیں۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع ہے۔

حافظ بیہقی نے جس حرزِ ابی دجانہ والی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، اسے حافظ ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

" أنبأنا هبة الله بن أحمد الحريري: أنبأنا إبراهيم بن عمر البرمكي أنبأنا أبو بكر محمد بن عبد الله بن خلف بن بخيت: حدثنا أبو يعلى حمزة بن محمد ابن شهاب العكبري: حدثنا أبي: حدثنا إبراهيم بن مهدي الأيلي: حدثني عبد الله بن عبد الوهاب أبو محمد الخوارزمي: حدثني محمد بن بكر البصري: حدثنا محمد بن أدهم القرشي عن إبراهيم بن موسى الأنصاري عن أبيه قال: شكا أبو دجانة الأنصاري ..." (۳/ ۱۶۸، دوسرا نسخہ ۳/ ۴۲۶۔۴۲۷ ح ۱۶۶۰)

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: **"هذا حديث موضوع بلاشك و إسناده منقطع و ليس فى الصحابة من اسمه موسى أصلاً. و أكثر رجاله مجاهيل لا يعرفون"** یہ روایت بلا شک وشبہ موضوع (من گھڑت) ہے، اس کی سند منقطع ہے اور صحابہ کرام میں موسیٰ نام کا کوئی آدمی سرے سے ہی موجود نہیں، اس روایت کے اکثر راوی مجہول نامعلوم ہیں۔ (الموضوعات ۳/ ۱۶۹، دوسرا نسخہ ۳/ ۴۲۸)

غالباً اسی روایت کو بیہقی نے موضوع کہا اور حافظ ذہبی نے فرمایا:

"و حرز أبي دجانة شئ لم يصح، ما أدري من وضعه" اور حرزِ ابی دجانہ ایسی چیز ہے جو صحیح نہیں، مجھے معلوم نہیں کہ کس نے اسے گھڑا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۴۵)

نیز سیوطی جیسے متساہل نے بھی کہا: "موضوع..." (اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ ۲/ ۳۴۸)

اس روایت کی سند میں عبداللہ بن عبدالوہاب الخوارزمی کی روایات میں منکرپن ہے۔ (تاریخ اصبہان ۲/ ۵۲، لسان المیزان ۳/ ۳۱۳)

اس سند کا دوسرا راوی ابراہیم بن مہدی الایلی ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: **"كذبوه"** انھوں (علماء) نے اسے کذاب کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۵۷)

اس سند کے باقی راوی مجہول ہیں۔اس روایت کی دونوں سندیں آپ نے دیکھ لیں کہ موضوع یعنی من گھڑت (جھوٹی) ہیں اور ایسی روایات کو مذکور دیوبندی ''حضرات'' عوام الناس میں پھیلا کر جرم عظیم کا ارتکاب بھی کررہے ہیں اور حدیث: **من کذب عليّ ..إلخ** کا مصداق بھی بن رہے ہیں۔آخر میں انھوں نے سورۃ الاخلاص کی آیات مبارکہ کو توڑ کر جو تعویذ لکھا ہے،شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ (۱۰/فروری ۲۰۱۳ء)

تدلیس سے بری راویانِ حدیث

درج ذیل ثقہ وصدوق راویانِ حدیث پر بعض کی طرف سے تدلیس کا الزام لگا ہے، لیکن صحیح تحقیق میں یہ سب سند میں تدلیس سے بالکل بری ہیں،لہٰذا ان کی اپنے اساتذہ سے معنعن روایات بھی صحیح ہیں: ابراہیم بن سلیمان الافطس ،ابواسامہ حماد بن اسامہ، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود، ابوقلابہ الجرمی ، ابومجلز لاحق بن حمید، ابونعیم الاصبہانی ، ابو نعیم الفضل بن دکین ، احمد بن عبدالجبار العطاردی ،اسحاق بن راشد الجزری ، اشعث بن عبدالملک الحمرانی ، الحسن بن علی التمیمی عرف ابن المذہب ، ایوب السختیانی ، ایوب بن النجار ، بشیر بن المہاجر، جبیر بن نفیر ، جریر بن حازم ،حسین بن واقد ، خالد الحذاء، خالد بن معدان ، دارقطنی ، زید بن اسلم ، سالم بن ابی الجعد ،سعید بن عبدالعزیز الدمشقی ،شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص ، طاوس بن کیسان ، عبدربہ بن نافع ،عمرو بن دینار المکی ،عمرو بن شعیب ، مالک بن انس ،محمد بن اسماعیل البخاری ،محمد بن عیسیٰ بن نجیح عرف ابن الطباع ،مخرمہ بن بکیر ، مروان بن معاویہ الفزاری ، مسلم بن الحجاج ،مکحول الشامی ، موسیٰ بن عقبہ ، ہشام بن عروہ ، یحییٰ بن سعید الانصاری ، یزید بن ہارون الواسطی ، یونس بن ابی اسحاق السبیعی ، یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی ۔

ابوسفیان طلحہ بن نافع کی جابر رضی اللہ عنہ سے معنعن حدیث بھی صحیح ہوتی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (طبعہ ثانیہ)

حافظ زبیر علی زئی

مسند الحمیدی کے نسخۂ دیوبندیہ کی چالیس اَغلاط

حبیب الرحمٰن اعظمی (دیوبندی) نے مسند الحمیدی کو جس نسخۂ دیوبندیہ سے شائع کیا، یہ نسخہ ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں لکھا گیا تھا اور اس نسخے کو اعظمی صاحب نے اصل قرار دیا ہے۔
(دیکھئے مقدمہ مسند الحمیدی نسخہ دیوبندیہ ص ۳)

حیدرآباد سندھ (پیر جھنڈا سعید آباد) کا نسخہ سعیدیہ ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳۔۱۸۹۴ء) میں لکھا گیا ہے، گویا یہ نسخہ دیوبندیہ کی اصل ہے، یعنی نسخہ دیوبندیہ اسی سے منقولہ ہے۔ (ایضاً ص ۳)
اعظمی صاحب کے پاس ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) سے پہلے کا لکھا ہوا نسخہ عثمانیہ بھی موجود تھا، بلکہ ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) کا لکھا ہوا قدیم نسخہ ظاہریہ بھی موجود تھا۔

(دیکھئے مقدمہ مذکورہ ص ۳، ۱۸۔۱۹)

علمی تحقیق اور انصاف کی رُو سے یہ چاہئے تھا کہ اعظمی صاحب قدیم ترین مخطوطے کو تحقیق کر کے شائع کرتے مگر انھوں نے قدیم ترین مخطوطے کو چھوڑ کر جدید ترین دیوبندی مخطوطے کو تختۂ مشق بنایا اور شائع کر دیا۔

حبیب الرحمٰن اعظمی کا یہ مطبوعہ نسخہ اغلاط و تحریفات سے بھرا پڑا ہے، جس میں سے چالیس مثالیں (۴۰) بطورِ نمونہ اور مشتے از خروارے پیشِ خدمت ہیں، جن سے صاف اور واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ نسخہ دیوبندیہ سارے کا سارا ناقابلِ اعتماد ہے۔ ترقیم فقرات کی صورت میں نسخہ دیوبندیہ کی اغلاط و تحریفات باحوالہ نقل کر کے نسخہ ظاہریہ (تحقیقی) اور نسخہ شامیہ (حسین سلیم اسد) کی عبارات سے ان کا رد درج ذیل ہے:

۱) ”ذھبا و قا“ (نسخہ دیوبندیہ ۱/۱۴ ح ۲۳)

☆ **”ذھبا أو ورقا“** (نسخہ ظاہریہ ح ۲۳، نسخہ شامیہ: ۲۳)

۲) "ان قريشًا تقربت" (دیو، یعنی نسخہ دیوبندیہ: ۲۴)

☆ **"ان قريشًا تقوت"** (ظ یعنی نسخہ ظاہریہ، حسین یعنی نسخہ حسین سلیم اسد: ۲۴)

لطیفہ: اعظمی صاحب نے حافظ ابن حجر کی ایک غلط عبارت سے استدلال کرتے ہوئے "تقربت" لکھ دیا، حالانکہ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ اصل مخطوطے میں "تقوت" ہے اور انھوں نے اسے تحریف (وهي محرفة) قرار دیا۔ (دیو ۱/۱۵)

ان کے رد کے لئے دیکھئے نسخہ حسین سلیم اسد (۱/۱۶۰)

۳) "فإنه كان يغزو مع رسول الله ﷺ يقول : يوم و ليلة للمقيم و ثلاثة أيام و لياليهن للمسافر" (دیو: ۴۶)

☆ **"فإنه كان يغزو مع رسول الله ﷺ قال :فسألت عليًّا فقال: كان رسول الله ﷺ يقول : يوم و ليلة للمقيم و ثلاثة أيام و لياليهن للمسافر."**

(ظ: ۴۶، حسین: ۴۶ نحو المعنی)

٤) "بعد الريح تسع سنين" (دیو: ۱۲۹، وقال :"وعندي ان كلمة تسع تصحيف . سبع")

☆ **"بعد الريح بسبع سنين"** (ظ: ۱۳۰، حسین: ۱۲۹)

۵) "قال قلت: كيف أتطهر بها" (دیو: ۱۶۷)

☆ **"قالت قلت :كيف أتطهر بها"** (ظ: ۱۶۸، حسین: ۱۶۷)

٦) "يحجزه" (دیو: ۱۸۳)

☆ **"يحجره"** (ظ: ۱۸۴، حسین: ۱۸۳)

۷) "سعد بن إبراهيم عن سلمة عن عائشة" (دیو: ۱۸۹)

☆ **"سعد بن إبراهيم عن أبي سلمة عن عائشة"** (ظ: ۱۹۰، حسین: ۱۸۹)

۸) "والله ! أرفث عندها سائر اليوم" (دیو: ۱۹۶)

☆ **"والله! لا أرفث عندها سائر اليوم"** (ظ: ۱۹۸، حسین: ۱۹۷)

۹) "عن عائشة قال: كان" (دیو: ۲۰۰ ولعلہ خطأ مطبعی)

☆ "عن عائشة قالت : كان " (ظ:۲۰۳، حسین:۲۰۲)

۱۰) "مسعر عن أبيه عن عائشة" (دیو:۲۷۰)

☆ " **مسعر عن المقدام بن شريح عن أبيه عن عائشة**" (ظ:۲۷۱، حسین:۲۷۲)

۱۱) "ثنا عمرو بن سعيد الثوري" (دیو:۲۹۹)

☆ "**ثنا عمر بن سعيد الثوري**" (ظ:۲۹۹، حسین:۳۰۱)

۱۲) "ثنا سفيان قال: ثنا إسحق قال : ثنا موسى بن عقبة" (دیو:۳۳۶)

☆ "**ثنا سفيان:ثنا موسى بن عقبة** " (ظ:۳۳۶، حسین:۳۳۸)

۱۳) "ثنا أبو منصور عن أبي وائل " (دیو:۴۴۱)

☆ " **ثنا منصور عن أبي وائل**" (ظ:۴۴۲، حسین:۴۴۶)

۱۴) "سمعت عبيد اللّٰه بن الحارث بن نوفل" (دیو:۴۶۰)

☆ "**سمعت عبد اللّٰه بن الحارث بن نوفل**" (ظ۴۶۱، حسین:۴۶۵)

۱۵) "أخبرني أبو الشعثاء جابر بن زيد قال: سمعت رسول اللّٰه ﷺ "

(دیو:۴۶۹)

☆ "**أخبرني أبو الشعثاء جابر بن زيد قال:سمعت ابن عباس يقول: سمعت رسول اللّٰه** ﷺ " (ظ:۴۷۰، حسین:۴۷۴ وعنده بعض الخطاء)

جابر بن زید رحمہ اللہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔

۱۶) "اقرأ سليم منك السلام" (دیو:۴۸۹)

☆ "**اقرى سليمان منك السلام**" (ظ:۴۸۹، حسین:۴۹۶)

۱۷) "إذا أكل أحدكم فلا يمسح يديه حتى يلعقها أو يلعقها"

(دیو:۴۹۰، حسین:۴۹۷)

☆ "**إذا أكل أحدكم فلا يمسح يده حتى يلعقها أو يلعقها** " (ظ:۴۹۰)

نسخہ دیوبندیہ اور نسخہ حسین سلیم اسد دونوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے

کھانا جائز ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے اور حدیث سے صرف ایک یعنی دائیں ہاتھ (یـده) سے کھانا ہی ثابت ہے۔

۱۸) "سفیان قال : ثنا عطاء" (دیو:۴۹۱)

☆ **"سفیان ثنا عمرو عن عطاء"** (ظ:۴۹۱، حسین:۴۹۸)

۱۹) نسخہ ظاہریہ کی حدیث نمبر ۴۹۵ (نسخہ حسین: ۵۰۲) مکمل طور پر نسخہ دیوبندیہ سے رہ گئی ہے۔

۲۰) "أراد فطر" (دیو:۵۱۱، حسین:۵۲۱)

☆ **"زاد فطر"** (ظ:۵۱۲)

۲۱) "عن أبی العاص" (دیو:۵۸۲)

☆ **"عن أبی العیاض"** (ظ:۵۸۲)

۲۲) "مولی عبید اللّٰه بن عامر" (دیو:۵۸۷)

☆ **"مولی عبد اللّٰه بن عامر"** (ظ:۵۸۷، حسین:۵۹۸)

۲۳) "بشیر بن سلیمان" (دیو:۵۹۳، حسین:۶۰۴)

☆ **"بشیر بن سلمان"** (ظ:۵۹۳)

۲٤) "فطر بن خلیفة الخیاط" (دیو:۵۹۴، حسین:۶۰۵)

☆ **"فطر بن خلیفة الحناط"** (ظ:۵۹۴)

۲۵) "من الركوع فلا یرفع ولا بین السجدتین" (دیو:۶۱۴)

☆ **"من الركوع ولا یرفع بین السجدتین"** (ظ:۶۱۴، حسین:۶۲۶)

۲٦) "عبد اللّٰه بن خالد بن أسد" (دیو:۶۳۷)

☆ **"عبد اللّٰه بن خالد بن أسید"** (ظ:۶۳۷، حسین:۶۵۱)

۲۷) "رجم یهودیة، قال ابن عمر:" (دیو:۶۹۶)

☆ **"رجم مهودیًا و یهودیة ، قال ابن عمر:"** (ظ:۶۹۷، حسین:۷۱۳)

۲۸) "فلما ذهب لأخذها" (ديو:۷۰۵،ونبه عليه الأعظمي فى الهامش)

☆ **"فلما ذهبت لأخذها"** (ظ:۷۰۵،حسين:۷۲۲)

۲۹) "ثنا عمرو قال: سمعت عبد اللّٰه بن عمر بن الخطاب" (ديو:۷۰۶)

☆ **"ثنا عمرو :سمعت أبا العباس الأعمى يقول :سمعت عبد اللّٰه بن عمر بن الخطاب"** (ظ:۷۰۶،حسين:۷۲۳)

۳۰) "سمعت عبد اللّٰه بن أوفى" (ديو:۷۱۴)

☆ **" سمعت عبد اللّٰه بن أبي أوفى"** (ظ:۷۱۴،حسين:۷۳۰)

۳۱) "عبسه بهرا و عرق" (ديو:۷۴۰)

☆ **"غشيه بهر أو عرق"**(ظ:۷۴۰،حسين:۷۵۷وعنده : "غشيه بهروعرق")

۳۲) "وزاد فيه ابن مسعر عن جرير" (ديو:۷۹۴)

☆ **"وزاد فيه زياد عن جرير"** (ظ:۷۹۴،حسين:۸۱۲وعنده : "وزاد فيه عن زياد")

۳۳) "قيس بن حازم " (ديو:۸۵۵)

☆ **"قيس بن أبي حازم"** (ظ:۸۵۷،حسين:۸۷۸)

۳٤) "معتب التميمي " (ديو:۹۰۷)

☆ **" قعنب التميمي"** (ظ:۹۰۹،حسين:۹۳۱)

حبیب الرحمٰن اعظمی نے لکھا ہے: **"فى الأصل التيمى و الصواب التميمى كما فى ع و ظ و لكن وقع فيها قعنب بدل معتب خطأ."**

اصل میں تیمی (لکھا ہوا) ہے اور صحیح تمیمی ہے جیسا کہ نسخہ عثمانیہ اور نسخہ ظاہریہ میں ہے، لیکن ان میں معتب کے بدلے میں قعنب لکھا ہوا ہے جو کہ خطا ہے۔ (مسند حمیدی نسخہ دیوبندیہ ۲/۴۰۳)

عرض ہے کہ اعظمی کی بات غلط ہے اور صحیح قعنب ہی ہے جیسا کہ مسند الحمیدی کے مخطوط نسخوں میں لکھا ہوا ہے، نیز مسند ابی عوانہ (۵/۷۰۔۷۱ من حدیث الحمیدی) السنن الکبریٰ للبیہقی (۹/۱۷۳، من حدیث الحمیدی) میں بھی قعنب ہی ہے، صحیح مسلم (۱۸۹۷) سنن ابی

داود (۲۴۹۶) اور سنن نسائی (۳۱۸۹۔۳۱۹۱) میں بھی قعنب ہی لکھا ہوا ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی قعنب ہی ہے۔ اعظمی کی غلطیوں میں سے یہ بہت بڑی مثال ہے کہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دیا ہے۔!!

۳۵) "ثم قام فقال مثل ذلك" (دیو:۹۲۸)

☆ **"ثم قامت فقالت مثل ذلك"** (ظ:۹۳۴، حسین:۹۵۷)

یہ عورت کا واقعہ ہے اور عورت (قام) کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ (قامت) کھڑی ہوئی تھی۔ کیا مونث حقیقی کو مذکر بنا دینا اعظمی صاحب کے نزدیک جائز تھا؟!

۳۶) "سمعت ابن الزبير على المنبر يقول : صلوة فى المسجد الحرام"

(دیو:۹۴۱)

☆ **"سمعت ابن الزبير على المنبر يقول: سمعت عمر بن الخطاب يقول: صلٰوة فى المسجد الحرام."** (ظ:۹۴۷، حسین:۹۷۰)

۳۷) "من هذا الأربع" (دیو:۹۷۲)

☆ **"من هذه الأربع"** (ظ:۹۷۸، حسین:۱۰۰۲)

۳۸) "عبيد الله بن يزيد" (دیو:۹۹۶)

☆ **"عبيد الله بن أبي يزيد"** (ظ:۱۰۰۲، حسین:۱۰۲۶)

۳۹) "لو اجذه" (دیو:۱۰۰۸)

☆ **"نواجذه"** (ظ:۱۰۱۴، حسین:۱۰۳۸)

۴۰) "قيل تلقاء ابن المنكدر" (دیو:۱۲۲۷)

☆ **"قبل أن نلقى ابن المنكدر"** (ظ:۱۲۳۷، حسین:۱۲۶۱)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ مثلاً:

۱: "وأيضا والله" (دیو:۱۲۵۰)

☆ **"و اِلهًا والله"** (ظ:۱۲۶۰)

۲: ”محمد بن ثابت عن أبيه عن أبي هريرة “ (ديو:۱۱۶۰)

☆ ” **محمد بن ثابت عن أبي هريرة**“ (ظ:۱۱۶۹)

۳: ” كافى الثلاثة “ (ديو:۱۰۶۸)

☆ ” **كان الثلاثة**“ (ظ:۱۰۷۴) **وغیر ذلک**

نسخہ دیوبندیہ اعظمیہ سے بعض روایات اور بہت سی عبارات رہ گئی ہیں۔ مثلاً:

۱: دیکھئے فقرہ نمبر ۱۹

۲: دیوبندیہ:۱۷۹، ظاہریہ:۱۸۰

۳: دیوبندیہ:۲۰۳، ظاہریہ:۲۰۶ وغیر ذلک

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حبیب الرحمٰن اعظمی کا نسخہ دیوبندیہ نا قابلِ اعتماد اور اغلاط سے پُر نسخہ ہے، نیز خود اعظمی صاحب نے بھی بہت سے مقامات پر اپنے نسخے کی غلطیوں کا اعتراف کر رکھا ہے۔ مثلاً:

۱: اعظمی نے لکھا ہے:”فی الأصل یزید والصواب زید“ (نسخہ دیوبندیہ ۱/۱)

۲: اعظمی نے لکھا ہے:” فی الأصل علی ابو بشر والصواب ما اثبتناه“ (ایضاً ۱/۱)

۳: اعظمی نے لکھا ہے:

”عندی ان زیادة رکعتین هنا من سهو الکاتب کما سأبینه“ (ایضاً ۱/۲)

۴: اعظمی نے لکھا ہے:”فی الأصل تقوت وهي محرفة“(ایضاً ۱/۱۵)

۵: اعظمی نے لکھا ہے:”فی الأصل فحرفه والصواب فحذفه“(ایضاً ۱/۲۰۹)

وغیر ذلک

آخر میں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ حبیب الرحمٰن اعظمی کے نسخہ دیوبندیہ (مطبوعہ مسند الحمیدی) کا جو صفحہ بھی نکالیں، حاشیے میں اصل مخطوطے (دیوبندیہ) سے کچھ اختلاف یا رد ضرور مذکور ہے اور اگر اس قاعدے سے ایک دو صفحے مستثنیٰ بھی ہوں تو قاعدہ اغلبیہ یہی ہے کہ یہ نسخہ مملوءۃ بالاخطاء ہے۔ **وما علینا إلا البلاغ** (۲۸/ جنوری ۲۰۱۳ء)

حافظ زبیر علی زئی

عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث اور جمہور محدثین

ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث الانصاری الزرقی المدنی کے بارے میں محدثین کرام اور علمائے حدیث کی گواہیاں مختلف ہیں، جن کی مفصل تحقیق درج ذیل ہے:

جارحین اور جرح

۱) امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**لیس بثقة**'' وہ ثقہ نہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۵/۲۸۴ ت ۱۳۵۲، وسندہ صحیح)

یہ قول اور بھی کئی کتابوں میں ہے۔

۲) ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ''**لیس بقوي، یکتب حدیثه ولا یحتج به.**'' وہ قوی نہیں، اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (ایضاً ص ۲۸۴)

☆ یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''**لیس یحتج بحدیثه .**'' اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (ایضاً ص ۲۸۴ وسندہ صحیح، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۰۵۰)

اس جرح کے مقابلے میں ابن معین سے ابو الحویرث مذکور کی توثیق بھی ثابت ہے:

۱: احمد بن سعد بن ابی مریم عنہ قال: **ثقة .** (الکامل لابن عدی ۵/۵۰۲ وسندہ صحیح)

۲: ابن ابی خیثمہ عنہ قال: **ثقة .** (تاریخ ابن ابی خیثمہ ۴/۲۷۰)

۳: عثمان الدارمی عنہ قال: **ثقة .** (تاریخ الدارمی ص ۱۶۸)

یہ چاروں راوی ثقہ ہیں اور یہ صراحتاً معلوم نہیں کہ جرح پہلے کی ہے یا تعدیل پہلے کی ہے، لہٰذا یہ توثیق اور جرح دونوں ساقط ہیں۔

۳) نسائی نے فرمایا: ''**لیس بثقة**'' (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۶۵)

۴) ابن عدی (المعتدل) نے فرمایا: اور (امام) مالک اس کے بارے میں زیادہ جانتے

ہیں کیونکہ وہ مدنی ہیں (اور یہ بھی مدنی ہے) اورانھوں نے اس سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔ (الکامل ۴/ ۱۶۱۸، دوسرا نسخہ ۵/۵۰۲)

اس کلام میں حافظ ابن عدی امام مالک کے مکمل مؤید ہیں، لہٰذا ان کی طرف سے بھی ابوالحویرث پر " **ليس بثقة**" والی جرح نافذ ہے۔

۵) عقیلی نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا اور کسی قسم کی توثیق نہیں کی۔

(دیکھئے ج ۲ ص ۳۴۴ ت ۹۴۵)

٦) ابواحمد الحاکم یعنی حاکم کبیر نے فرمایا: " **ليس بالقوي عندهم** "

(کتاب الاسامی والکنیٰ ۴/ ۱۵۶ ت ۱۸۳۵)

۷) ابن الجوزی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا اور کوئی توثیق نہیں کی۔

(دیکھئے ج ۲ ص ۱۰۰ ت ۱۹۰۳)

۸) ابن عبدالبر نے فرمایا: " **ليس بالقوي عندهم .**"

(الاستغناء فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنیٰ ۱/ ۵۸۰ ت ۶۳۳)

☆ حافظ ذہبی نے فرمایا: " **لين** "ضعیف ہے۔ (المجرد فی اسماء رجال سنن ابن ماجہ: ۹۲۹)

جبکہ دوسری طرف ذہبی نے اس کی ایک حدیث کو صحیح قرار دیا۔

(تلخیص المستدرک ۱/ ۵۳۵۔۵۳۶ ح ۱۹۶۴، دیکھئے موثقین کا فقرہ نمبر ۶)

یہ دونوں اقوال باہم متعارض ومتناقض ہو کر ساقط ہو گئے۔

۹) حافظ ابن حجر نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

" **فإنها رواية شاذة مع ما في أبي الحويرث و أبي صالح من الضعف .**"

پس یہ روایت شاذ ہے، نیز اس کے ساتھ کہ ابوالحویرث اور ابوصالح میں جو ضعف ہے۔

(فتح الباری ۱/ ۴۴۲۔۴۴۳، کتاب التیمم ب ۳ تحت ح ۳۳۷)

نیز حافظ صاحب نے اسے " **صدوق سيئ الحفظ رمي بالارجاء** " بھی قرار دیا۔ (تقریب التہذیب: ۴۰۱۱)

یعنی وہ حافظے کی خرابی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر سے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی توثیق ہمیں نہیں ملی۔

۱۰) ہیثمی نے فرمایا: " و الأكثر علٰى تضعيفه ." اور جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۱/۳۲)

۱۱) بوصیری نے ایک روایت کو ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی وجہ سے ضعیف کہا:

" هذا إسناد ضعيف لضعف... و اسمه عبد الرحمٰن بن معاوية ."

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ ۶/۴۴۰ ح ۶۲۲۷)

موثقین اور توثیق

۱) شعبہ/ انھوں نے ابوالحویرث سے روایت بیان کی اور امام شعبہ عام طور پر اپنے نزدیک ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔

☆ یحییٰ بن معین کے اقوال باہم متعارض ومتناقض ہونے اور ناسخ منسوخ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہیں۔

۲) علی بن المدینی نے فرمایا: " كان عندنا ثقة " وہ ہمارے نزدیک ثقہ تھے۔

(سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ لابن المدینی ص ۹۲)

۳) ابن خزیمہ نے اُن سے صحیح ابن خزیمہ (۱۴۵۰) میں روایت بیان کی۔

۴) ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔

۵) ابن شاہین نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا: " مديني ثقة " (ص ۱۴۵)

۶) حاکم نے اُن کی ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۱/۱۸۷ ح ۱۹۶۴، ووافقہ الذہبی)

۷) ضیاء مقدسی نے اُن سے المختارۃ میں روایت بیان کی۔ (۳/۱۲۹ ح ۹۳۱)

☆ امام احمد بن حنبل کے سامنے بیان کیا گیا کہ امام مالک نے انھیں " ليس بثقة " کہا ہے تو انھوں نے اس کا انکار کیا اور فرمایا: نہیں، اور اُن سے شعبہ نے روایت بیان کی ہے۔

(الجرح والتعدیل ۵/۲۸۴)

اگر قرینہ نہ ہو تو لیس بثقة کا متبادر معنی و مفہوم یہی ہے کہ یہ جارح کے نزدیک شدید جرح ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا:

"بل لفظة لیس بثقة فی الاصطلاح یوجب الضعف الشدید."

بلکہ اصطلاح (اصولِ حدیث) میں لیس بثقة کے لفظ سے شدید ضعف لازم آتا ہے۔

(تہذیب التہذیب ۴/ ۳۴۷ ترجمۃ شعبہ بن دینار)

حافظ ذہبی نے اسے جرح کے تیسرے درجے میں ذکر کیا ہے جس میں متروک، ذاہب الحدیث اور ہالک وغیرہ جروح بھی موجود ہیں۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۱/ ۴)

یاد رہے کہ لیس بثقة اور لیس بالثقة میں بھی فرق ہے۔

امام احمد سے صراحتاً اور ابو الحویرث کی توثیق (مثلاً ثقہ یا صدوق کے الفاظ کہنا) ثابت نہیں لہٰذا امام احمد کو ابو الحویرث کے موثقین میں ذکر کرنا محلِ نظر ہے۔

عین ممکن ہے کہ اُن کا انکار اور نفی ضعفِ شدید سے متعلق ہو۔ واللہ اعلم

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ جارحین کی تعداد دس (۱۰) سے زیادہ ہے اور موثقین کی تعداد سات (۷) ہے، لہٰذا راقم الحروف کا درج ذیل بیان بالکل صحیح ہے:

"جس کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے (۱) ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ ضعیف ہے (نیل المقصود: ۱۱۰۵) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے (دیکھئے مجمع الزوائد ۱/ ۸)..."

(ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۳ ص ۶، اپریل ۲۰۰۶ء)

تنبیہ بلیغ: راقم الحروف نے مذکورہ تحریر کے کئی عرصہ بعد... لکھا تھا:

"قلت: بل وثقه الجمهور" (تحقیقی مقالات ۳/ ۳۸۵)

میری یہ بات غلط ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوئے رجوع کا اعلان ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث واقعی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے اور حافظ ہیثمی نے بھی اسی نتیجے کی صراحت کر رکھی ہے۔

(۲۸/ مارچ ۲۰۱۳ء)

خوش خبریاں

☆ درج ذیل کتابیں مکتبہ اسلامیہ سے دوبارہ شائع ہو چکی ہیں:

۱: تفسیر ابن کثیر (تحقیق حافظ زبیر علی زئی/ مع مراجعت جدیدہ)

۲: فضائلِ صحابہ صحیح روایات کی روشنی میں (تحقیق حافظ زبیر علی زئی)

۳: القول المتین فی الجہر بالتأمین (آمین بالجہر) مع مراجعت وفوائد

۴: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام (مع مراجعت وفوائد)

۵: نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری (مع مراجعتِ مخطوطہ)

۶: جزء علی بن محمد الحمیری (عربی، طبعہ ثانیہ)

۷: مسائل محمد بن عثمان بن ابی شیبہ (عربی)

۸: الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (مع المراجعۃ والفوائد والزوائد/ طبعہ ثانیہ)

نیز محترم محمد زبیر صادق آبادی حفظہ اللہ کی عظیم الشان کتاب: ''آئینۂ دیوبندیت'' (تحقیق ونظرِ ثانی از قلم حافظ زبیر علی زئی) بھی شائع ہو چکی ہے۔ والحمدللہ

☆ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی زیرِ نگرانی مدرسہ اہل الحدیث حضرو میں شعبہ حفظ اور تعلیم القرآن والحدیث عرصۂ دراز سے جاری ہے۔

اب وفاق المدارس کے نصاب کے مطابق باقاعدہ آغاز کر دیا گیا ہے۔

نیز حافظ صاحب کی زیرِ نگرانی قرآن، حدیث، اصولِ حدیث، تخریج وتحقیق، تخصص اور علومِ دینیہ کی تدریس کا بھی رمضان (۱۴۳۴ھ) کے بعد باقاعدہ آغاز ہو رہا ہے۔

تمام شائقین کے لئے اطلاع ہے کہ ۱۵/ شوال تک رابطہ کریں۔

رمضان میں علوم دینیہ کے متعلق دورہ بھی کرایا جائے گا۔ ان شاء اللہ

حافظ شیر محمد۔ مدرسہ اہل الحدیث حضرو ضلع اٹک